دودھ پینے کے بعد کلی کرنا

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ اِنَّ لَهٗ دَسَمًا. [متفق علیہ]

’’عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا اور کلی کی، اور فرمایا: اس میں چکناہٹ ہوتی ہے۔‘‘

فائدہ: اس حدیث کو پوری ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چکناہٹ کی وجہ سے کلی کر لینا چاہیے اور ہر وہ چیز جس میں چکناہٹ ہو اس کے کھانے کے بعد کلی کرنا مستحب ہے۔

اصول نمبر 42:...... وَمَنْ لَقِيَهُ مُصِرًّا غَيْرَ تَائِبٍ مِنَ الذُّنُوْبِ الَّتِيْ قَدِ اسْتَوْجَبَ بِهَا الْعُقُوْبَةَ ، فَاَمْرُهُ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَلَهُ۔

''جواللہ تعالیٰ کواس حال میں ملے کہ کسی قابل سزا گناہ پر ہمیشگی کرنے والا اورتوبہ کرنے والا نہ تھا،تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے،اگر چاہےتواسے سزادے چاہےتو معاف کردے۔'' فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذَالِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ [النساء: ١١٦]''اوراللہ تعالیٰ اس کے علاوہ جسے چاہے معاف کردے گا۔''

شرح: آخرت کے ہرطرح کے معاملات اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ جسے چاہے معاف کردے اور جسے چاہے سزادے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ پاک اور بلند وبرتر ہے۔اگر کوئی موحد اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے، وہ اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کردے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جوشخص اللہ تعالیٰ کواس حال میں ملے گا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک نہ ٹھہرایا ہو،اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریں گے،اور جوشخص اللہ تعالیٰ کواس حال میں ملے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہو،تو اسے جہنم میں داخل کردیں گے۔[صحیح بخاری: ١٢٣٨۔ صحیح مسلم: ٩٣۔١٥٢]

لیکن اس کے باوجود ہم کسی کو جنتی یا جہنمی نہیں کہہ سکتے، بلکہ اس کے لیے سزا اوراس کے لیے انعام کا ذکر ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہوگا۔اگر چاہے انہیں سزادے وگرنہ انہیں معاف بھی کرسکتا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی ساری مخلوق کو سزادے تو ایسی صورت میں ظالم نہ ہوگا،اسی طرح اگر وہ ان پر رحمت کردے تو یہ ان کے اعمال کی نسبت بہتر سلوک ہوگا۔کیوں کہ ان کے اعمال بہت زیادہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں سے جو ان پر ہیں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا ہے:''تم اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں بالکل داخل نہ ہوسکو گے۔''صحابہ کرام نے پوچھا:اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھی؟ آپ نے فرمایا:''میں بھی نہیں، ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل سے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔''[صحیح بخاری: ٦٤٦٣،٦٤٦٤۔ صحیح مسلم: ٢٨١٦تا٢٨١٨]

ہم سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے محتاج ہیں،جب کہ ہمارے اعمال ہماری نجات کا مستقل سبب بننے سے قاصر ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ اچھے کاموں اور بہت زیادہ نیکیوں کا حکم دیتے ہیں،جب کہ برائیوں سے منع فرمایا،نیکیوں کو اپنی رحمت اور جنت میں داخلے کے اسباب میں شمار کیا ہے۔برائیوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے منع کیا کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور سزا کا سبب ہیں۔

البتہ جب انسان حد لگنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملے گا:اگر وہ اس گناہ سے توبہ کرنے والا تھا تو یہ اس کے لیے کفارہ ہوگی،اگر اس نے اعتراف اور توبہ نہ کی تو حد اسے کوئی فائدہ نہ دے گی۔حد اس کی ڈانٹ کا سبب ہوگی تاکہ وہ دوبارہ ایسا کام نہ کرے،یا دوسرے کو ڈانٹنے کا سبب ہوگی۔

علماء نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ حدود صرف توبہ کرنے والے کا کفارہ ہوگی،مثلاً:کوئی زنا کرکے اعتراف کرتا اور کہتا ہے: مجھ پر حد قائم کرو!جیسے ماعز اور غامدیہ نے کیا تھا۔[صحیح مسلم: ١٦٩٣ تا١٦٩٥]ایسا کرنا ان کے لیے یقیناً کفارہ ہوگا۔

البتہ جو جرم کا انکار کرے اور گواہ کہیں اس نے بدکاری کی ہے پھر اسے رجم کردیا جائے،تو ایسی صورت میں یہ حد اسے پاک نہ کرے گی۔یہ سزا تو دوسرے کو روکنے کے لیے ہوگی تاکہ وہ ایسا نہ کریں۔اسی طرح دنیا میں لگنے والی باقی حدود کا معاملہ ہے،کہ وہ صرف توبہ کرنے والے کا کفارہ ہوسکتی ہیں جب کہ اس کی توبہ بھی اچھی ہو۔

فہرست

خیال اچھا ہے

اداریہ — حافظ احمد شاکر

کسی فکر، گروہ یا ملک کو مضبوط کرنے کے لیے اتحاد یعنی باہمی اختلافات کو ختم کرنا یا زیادہ سے زیادہ نکات پر متفق ہو جانا ضروری ہوتا ہے، تبادلہ خیالات کے بعد اختلافات کلیۃً ختم نہ بھی ہوں اتحاد کے لیے راستہ یا راستے ضرور نکل آتے ہیں۔ جس کی بہت روشن، واضح اور مضبوط دلیل ہمیں قرآنِ مجید کی ان آیات سے مل جاتی ہے جس میں آپ ﷺ نے نجرانی عیسائیوں کے آنے والے وفد کو فرمایا تھا کہ

''اے اہل کتاب! آؤ ہم باہمی ایک متفقہ بات ...... یعنی توحید ...... پر اتفاق ...... یا سمجھوتہ ...... کر لیتے ہیں کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہیں کریں گے، اور نہ ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں گے اور نہ تم۔''

چناں چہ ائمہ متقدمین باہمی آراء کا اختلاف ختم یا کم کرنے کے لیے متفق علیہ نکات کو نمایاں کرتے رہے اور ماحول کی تلخیاں اور کدورتیں حتی الامکان ختم یا کم کر کے اپنے اپنے وقت میں نمایاں خدمات سرانجام دیتے اور امت کی راہ نمائی فرماتے رہے۔

وطن عزیز پاکستان میں بھی سیاسی اتحاد ہمیشہ وجود میں آتے رہے۔ افسوس کہ فقہی اور مسلکی مسائل میں ملکی سطح پر ایسا کوئی اتحاد ہمارے علم میں نہیں کہ جس میں متفق علیہ مسائل کے پرچار کی حوصلہ افزائی کی گئی ہو اور مختلف فیہ مسائل کے تذکرے اور بیان کو چار دیواری کے اندر محدود کرنے پر اتفاق کیا گیا ہو۔ خیر یہ بات تو ضمناً نوک قلم پر آ گئی ورنہ اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں۔ بات چل رہی تھی اب تک ہونے والے مختلف سیاسی اتحادوں کی کہ یہ اتحاد ملک وقوم کی بہتری اور عوام کے مفادات کے نام پر کیے جاتے رہے۔ لیکن ان کا نکتہ اتحاد عموماً مقتدر حکومت کو گرانا یا چلتا کرنا ہوتا تھا۔ جس کے بعد حکومت تو چلی جاتی ہے جسے سیاست دان اور سیاسی جماعتیں اپنی بڑی کامیابی باور کرا کے داد وتحسین تو خوب ہتھیاتی رہیں لیکن انہیں سیٹوں پر سابقہ حکمرانوں ہی کے قبیلے اور نسب وحسب کے لوگ اقتدار کی راہداریوں میں پھر دوبارہ آن داخل ہو جاتے اور ''حسب توفیق'' شرکت اقتدار سے استمتاع کرتے رہے۔ جس سے ملک کی ناتوانی بڑھنے لگتی اور عوام حسب سابق مہنگائی اور بدامنی کے پاٹوں میں پستے پستے پہلے کفن چور کو ہی اچھا کہنے لگ جاتے۔

آج کل پھر اتحاد یعنی مختلف سیاسی جماعتیں اتحاد کا راگ الاپنے لگی ہوئی ہیں فی الحال تو مختلف ...... تانگہ ...... لیگوں نے متحدہ مسلم لیگ تشکیل دی ہے جس کے سربراہ ''بڑی کرنی والی سرکار'' ہیں۔ ابھی تک ن لیگ ...... اپنے زعم کی وجہ سے ...... ان کے ہتھے نہیں چڑھ رہی۔ محترم ''کرنی والی سرکار'' نے ن لیگ کو پیغام بھیج دیا ہے کہ جب چڑیاں کھیت چگ جائیں گی پھر ہوت کا پچھتاوا کسی کام نہ آئے گا۔ تاہم دیکھئے آسمان کیسے رنگ بدلتا ہے یا سیاست دان پینترے کس طرح بدلتے ہیں۔ اس کے علاوہ مذہب کا غلاف اوڑھے ہوئے بعض سیاسی جماعتیں بھی غیر انتخابی اتحاد میں نکل کھڑی ہیں اور ''**السعی منا** ...... **منهم** ...... **والاتمام من الله**'' کا جذبہ کشاں کشاں انہیں میدان میں لے آیا ہے۔ اس سے پہلے والا مذہبی بنیادوں پر اتحاد۔ م، م، ع۔ یعنی متحدہ مجلس عمل کا اتحاد انتخابی تھا یار لوگوں نے جس کا رس ...... مفادات ...... چوس کر گنڈیری کی طرح ان مذہبی اتحادوں کو ڈسٹ بن میں پھینک دیا تھا۔

ان اتحادی کوششوں سے مزید اتحاد جھلملانے لگے ہیں یعنی مزید اتحادات وجود میں آنے کا امکان ہے۔ جن کا نکتہ اتحاد حسب سابق صرف حکومت گرانا ہوگا جس کا نتیجہ بالآخر صرف چہرے بدلنے کی صورت میں نکلے گا کہ ہمارے سیاسی خاندان عوام سے ...... ہمیشہ کی طرح ...... زیادہ سمجھ دار

ہو گئے ہیں کہ ہر جماعت میں کسی نے بھائی، کسی نے داماد، کسی نے بہنوئی، کسی نے ہم زلف اور کسی نے چچا، تایا، ماموں، خالو کو پہلے ہی داخل کر رکھا ہے کہ یہ رشتے سند رہیں اور بوقت ضرورت کام آئیں۔

آج یہ گزارش کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ہر جماعت کے عوام یعنی کارکن ''ہمدرد یا خیر خواہ'' کچھ حوصلہ اور جرأت کر کے وطن عزیز اور اس کے عوام کی ضروریات مقصد بنائیں یعنی جس سے عوام، معاشرہ اور اصلاح کے خواہش مندوں کی بے بسی بھی ختم ......یعنی ان میں گرفت کرنے اور سوال کرنے کی ہمت ......ہو اور پاکستان کے عوام سکھ کا سانس بھی لیں۔ نیز عالمی طور پر بدعنوانی اور ذلت کی جس پھسلن پر حکومت بلکہ حکمران...... چاہے کوئی بھی ہو...... بیٹھے گڑھے کی طرف لڑھک رہے ہیں وہ ہوش کے ناخن لے کر اس غیرت کو واپس لانے کی طرف سفر شروع کریں جس کو خلائی حکمران نے خوفناک ڈھٹائی سے ''تیمور'' کے گھر سے رخصت کر دیا تھا۔ ابھی تک جس کی واپسی کی کسی نے سعی تو کیا کرنی ہے کسی حال و مستقبل کے حکمران کا اس کی طرف نہ دھیان جاتا ہے اور ان کے نزدیک شاید یہ اس قدر اہم بھی نہیں۔

⊙...... ہمارے حکمران طبقہ نے ذاتی اغراض و مفادات کی خاطر اپنی ......یعنی پاکستان کی ......گردن جس بری طرح پنجہ اغیار میں پھنسا رکھی ہے اس پنجے سے نجات کا صرف لائحہ عمل نہیں بلکہ عملاً جو کر سکتے ہوں ان اتحادیوں سے تحریراً تفصیل کا مطالبہ کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ اس بات کو اپنے منشور کا حصہ کس نے بنایا ہے ان سے وضاحت طلب کریں کہ کیا وہ

⊙......نام نہاد دہشت گردی کی جنگ سے عملاً دست بردار ہوں گے اور وہ اس کا اعلان کریں گے۔

⊙...... دنیائے کفر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے پیچھے جس طرح ہاتھ دھو کر پڑی ہوئی ہے اس کا اسی ولولے، طنطنے اور جذبے کے ساتھ مقابلہ کرنے کا وعدہ کون کرتا ہے اور اس کی عملی صورت اس کے ذہن میں کیا ہے۔

⊙......اتحاد کی داعی جماعت کا سربراہ بیرونِ ملک منتقل کی ہوئی اپنی دولت واپس لانے کا نہ صرف اعلان کرے بلکہ واپس لا کر دکھائے بھی۔ (وہ صرف اس نفع پر گزارہ کرے جو اس دولت سے حاصل کر چکا ہے۔)

⊙......معاف کرائے گئے قرضے واپس کرے اور یہ بھی صرف اعلان نہیں ہتھیلی پر سرسوں جمائے۔

⊙......اپنی اپنی جماعتوں میں جمہوریت کو رواج دیں یعنی خاندان نہیں صلاحیت کی بنیاد پر حسب کارکردگی اپنی جماعت کے کارکنوں کو میدانِ عمل میں لائیں۔

⊙......استحقاق (MARAT) کو ہر حال میں مقدم رکھیں تاکہ عوام کی خوابیدہ صلاحیتیں حرکت میں آئیں اور وطن عزیز سیدھی شاہراہ پر رواں ہو جائے۔ یعنی ناجائز سفارش نہ کرنے کا اعلان کریں تاکہ ان کی جماعت کی خدمت جن لوگوں نے سفارش کے لیے کرنی ہے وہ ابھی سے اپنا راستہ تلاش کریں۔ ⊙......سارے سیاسی لیڈر سرکاری واجبات (بشمول پانی، بجلی، خون اور گیس کے بلوں کے) اور ٹیکسز ادا کریں۔

⊙......خدام قوم ......صوبائی، وفاقی اسمبلی اور سینٹ کے ممبران ......کو سہولتوں کی بجائے نقد تنخواہ دلانے کا وعدہ کریں تاکہ انہیں علم ہو کہ آٹے دال کا کیا بھاؤ ہے۔

⊙......ممکن حد تک بنیادی ضروریات ......خوراک، لباس، دوائی اور توانائی وایندھن ...... پر سب سڈی دینے کا حلفیہ وعدہ اس طرح لیں کہ وعدہ خلافی پر گریبان پکڑ سکیں۔ ⊙......کبیرہ گناہ کے کسی مرتکب امیدوار فرد کو ووٹ نہ دیں۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سب ہماری خوش خیالیاں ہیں جن کا پورا ہونا خیال است محال است جنوں والی بات ہے تاہم ع

دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔

درس قرآن

قسط نمبر 14

تفسیر سورۂ ق

مولانا ارشادالحق اثری حفظہ اللہ

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾ [ق : ١٩]

''اورموت کی بے ہوشی حق لے کرپہنچ گئی، یہ وہی ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔''

﴿سَكْرَةُ﴾ ''السُكر'' سے ہے، یہ اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان اوراس کی عقل کے درمیان حائل ہوجاتی ہے، اوراس کا عمومی اطلاق نشہ آور چیز کی بدمستی ومدہوشی پر ہوتا ہے اوراسی سے سَكَرَاتُ الْمَوْتِ موت کی بے ہوشیاں، اس مدہوشی اورغشی کا سبب ہے۔موت کے وقت دم گھٹنا، پیاس کی شدت، اختلالِ دل ودماغ، کمزوری وبے بسی اوراگر کافر ہوتو ساتھ ڈراؤنی شکل میں فرشتوں کودیکھنا، ان کا مارنا، ڈانٹنا، ان میں تو ہرایک چیز غشی کا باعث ہے، مگرمیت ہے جو بیک وقت ان سے دوچار ہوتی ہے۔حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ پر جب موت کے آثار نمودار ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلایا، وہ آئیں تو بے ساختہ زبان سے یہ شعرنکلا:

إِذَا حَشْرَجَتْ يَوْمًا وَضَاقَ بِهَا الصَّدْرُ

''یعنی جب ایک دن روح مضطرب ہوگی اورسینہ اس سے تنگ ہوجائے گا۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سنتے ہی فرمایا: تم نے یہ فضول شعرکہا۔یوں کہو:

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾ [ق : ١٩]

یہ بھی منقول ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پرانتقال کے وقت جب غشی طاری ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ شعرکہا:

مَنْ لَا يَزَالُ دَمْعُهُ مُقْنِعًا
فَإِنَّهُ لَا بُدَّ مَرَّةً مَدْفُوْقٌ

''جس کے آنسو ہمیشہ رکے رہے ایک بارتوضرور وہ بہہ نکلیں گے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سراٹھایا اورفرمایا یوں نہ کہو، بلکہ کہو:

﴿وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾ [ق : ١٩]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ واقعہ متعدد طرق سے منقول ہے، جنہیں میں نے ''سیرۃ الصدیق'' میں جمع کردیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ جب آپ پر آخری وقت آیا تو آپ پانی میں ہاتھ ڈال کر چہرۂ انور پر ملتے اورفرماتے تھے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ .

[بخاری: ٤١٤٩]

موت کی غشی اورجان کنی کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہی فرمان ہے کہ

لَا أَكْرَهُ شِدَّةَ الْمَوْتِ لِأَحَدٍ أَبَدًا بَعْدَ النَّبِيِّ .

''کہ نبی کریم ﷺ کے بعدکسی پر موت کی سختی کو ناگوار نہیں جانتی۔''[بخاری: ٤٤٤٦]

حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا موت کے بارے میں بتلاؤ۔انھوں نے فرمایا:

امیر المومنین اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک بہت کانٹے دار پودا انسان کے پیٹ میں پیوست ہوجاتا ہے۔اس کی ہررگ اور جوڑ میں کانٹے ہیں اورطاقت ورانسان ان سے اپنے آپ کو بچاتا اورکھینچتا ہے۔

[ابن ابی شیبہ وغیرہ]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت مسند امام احمد وغیرہ میں مروی ہے، جس میں احوالِ میت وبرزخ کا بیان ہے، اس روایت میں کافر کی قبض روح کے بارے میں ہے کہ سیاہ رو فرشتے اپنے ساتھ ٹاٹ لیے ہوئے جہاں تک نظر جا سکتی ہے، اتنی دور سے میت کو گھیر لیتے ہیں۔ اس کے بعد ملک الموت آتے ہیں اور اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتے ہیں: ''اے خبیث روح! نکلو اللہ کے غضب کی طرف۔''

یہ سن کر جان بدن میں چھپ جاتی ہے۔ اس وقت وہ جان کو اتنی شدت سے نکالتے ہیں جس طرح آہنی سیخ تر کپڑے سے کھینچی جاتی ہے۔ وہ اس کی روح نکالتا ہے اور دوسرے فرشتے پلک جھپکنے میں اسے لے لیتے ہیں اور اس روح سے مردار کی سی بو آتی ہے۔

[مسند احمد، ص: ۲۸۸، ج: ٤ وغیرہ]

قرآنِ مجید میں بھی ہے کہ کاش تم ظالموں کو موت کی بے ہوشی میں دیکھو، فرشتے ہاتھ پھیلا پھیلا کر کہتے ہیں: اپنی جانیں نکالو اب تمہیں ذلت آمیز سزا دی جائے گی۔ [الانعام: ۹۳]

اس حال میں فرشتے انہیں ماریں گے بھی، چناں چہ فرمایا:

﴿ فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴾ [محمد: ۲۷]

''ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح نکال رہے ہوں گے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہوں گے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب انسان پیدا ہوتا ہے تب سے لے کر اس کے لیے موت سے زیادہ سخت اور کوئی چیز نہیں۔ پھر اس کے بعد انسان سے جو معاملات ہونے والے ہیں، ان کے مقابلے میں موت بہت ہلکی ہے۔'' [مسند احمد: ١٥٤، ج: ٣ ورجاله موثقون۔ المجمع، ص: ٣١٩، ج: ٢]

موت کی یہ تنگی و بے ہوشی ''الحق'' کو لے کر آئی۔ ''الحق'' سے مراد یہاں قیامت ہے۔ یعنی موت، قیامت کا پیغام لے کر آئی، موت کے آغاز ہی میں وہ چیزیں سامنے آجاتی ہیں جو حق وسچ ہیں۔ ایک ضعیف حدیث میں ہے:

مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ. [المقاصد: ٤٢٨]

''جو موت کے منہ میں آ گیا اس کی قیامت آ گئی۔''

مرنے والا فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے وہ جس شکل وصورت میں آتے ہیں مرنے والا اسی سے اپنے انجام کا اندازہ لگا لیتا ہے کہ وہ اہل سعادت میں سے ہے یا اہل شقاوت میں سے۔ موت کے بعد برزخ کی زندگی قیامت کی تمہید ہے اور اس کے ساتھ ہی عالم آخرت کے احوال کا آغاز ہو جاتا ہے۔ سورۃ القیامۃ میں ہے:

﴿ كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ٥ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ ٥ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ٥ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ٥ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ٥ ﴾ [القيامة: ٢٦-٣٠]

''ہرگز نہیں، جب جان حلق تک پہنچ جائے گی، اور کہا جائے گا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا اور آدمی سمجھ لے گا کہ یہ دنیا سے جدائی کا وقت ہے، اور پنڈلی سے پنڈلی جڑ جائے گی، وہ دن تیرے رب کی طرف روانی کا ہوگا۔''

اس صورت حال سے تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور پتا چل جائے گا کہ وقت موعود آ پہنچا ہے۔

یا ﴿بِالْحَقِّ﴾ سے مراد یہاں موت ہے، جس کا آنا بہر نوع حق ہے، یا یہاں ﴿بِالْحَقِّ﴾ سے حقیقت یا برحق مراد ہے جو عبث کی ضد ہے، جیسے فرمایا:

﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ﴾ [التغابن: ٣]

''کہ آسمانوں اور زمین کو برحق بنایا۔''

یعنی موت کی مدہوشی حقیقتاً آ پہنچی۔ قیامت، حساب کتاب اور جنت وجہنم کی جو باتیں سنتے تھے ان کی صداقت ظاہر ہو گئی، اور اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ دنیا دارِ فانی ہے دار الخلد نہیں۔ ہمیشہ کی زندگی تو آخرت کی ہے۔

﴿ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴾ [ق: ١٩]

''یہ ہے جس سے تو بھاگتا اور کنی کتراتا تھا۔''

﴿ تَحِيْدُ ﴾ کے معنی پہلوتہی کرنے، کنی کترانے، بچنے اور بھاگنے کے ہیں۔ انسان اس سے بچاؤ کا ہر حیلہ اختیار کرتا ہے حتی کہ اپنے لیے دوسرے انسانوں کو ڈھال بناتا ہے اور ہر اس چیز سے گریز کرتا ہے جو موت کا باعث ہو، مگر موت ہے کہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور ہر طرح کے بچ بچاؤ کے باوجود وقت مقرر پر آ دھمکتی ہے۔ موت سے ہر شخص الا ماشاء اللہ بچنے کی تدبیر کرتا ہے اور یہ بچنا ممنوع بھی نہیں، مگر یہاں مقصود یہ ہے کہ موت سے بچنے کی کوشش کے باوجود یہ ایک نہ ایک دن آ کے رہے گی، اس سے بچنے کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جائیں گی اور انسان موت کے منہ میں چلا جائے گا۔ ارشاد فرمایا:

﴿ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ﴾ [النساء: ٧٨]

''تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تم تک پہنچ جائے گی اگر چہ تم مضبوط قلعوں اور محلوں میں رہو۔''

اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی بڑے سے بڑا ملحد ومعاند بھی انکار نہیں کرسکا اور نہ ہی کوئی اس سے انکار کرتا ہے۔ ہر روز انسان اس کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرتا ہے اس لیے انکار کیسے اور کیوں کرے؟ رہ گیا موت کے بعد کے انجام اور قیامت کا انکار، تو مرنے والا مرتے دم اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے، مگر اس وقت ایمان وایقان کی مہلت کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے۔

اس آیت میں تمام انسان مخاطب ہیں۔ مگر اولاً مقصود یہاں مشرکین ویہود تھے کیوں کہ وہی دراصل موت سے زیادہ گھبراتے اور زندگی کے طلب گار تھے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ﴾ [البقرة: ٩٦]

''آپ ان کو ضرور پائیں گے تمام لوگوں سے بڑھ کر حرص کرنے والے دنیا کی زندگی پر، اور ان سے بھی جو شرک کرتے ہیں، آرزو کرتا ہے ہر ایک ان میں سے کہ کاش وہ عمر دیا جائے ہزار سال۔''

اور یہود کے بارے میں فرمایا:

﴿ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ﴾

''فرما دیجیے کہ جس موت سے تم بچتے ہو وہ تمہیں ملنے ہی والی ہے۔'' [الجمعة: ٨]

ان کا یہ فرار اس لیے تھا کہ وہ اسی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھتے تھے اور جو کچھ وہ یہاں اپنے ہاتھ سے بو رہے تھے اس سے بھی وہ آگاہ تھے اس لیے ان کی تمنا یہی تھی کہ یہاں دیر تک زندہ رہیں۔ یہاں گو مخاطب یہود ومشرکین تھے، مگر آیات اپنے عموم کے اعتبار سے تمام کفار کو شامل ہیں۔ ان کے برعکس بندۂ مومن میں موت کا طبعی خوف اور ڈر ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ اس سے بچاؤ کی کوشش کرتا ہے، مگر اس میں جزع وفزع کی کیفیت نہیں ہوگی، بلکہ ایمان وعمل صالح کی بنا پر اللہ کی رحمت کا امیدوار اور دیدارِ الٰہی کا مشتاق ہوتا ہے۔ زندگی کا طلب گار رہتا ہے تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے کچھ اور کام کرسکوں اور اگر ایمان وعمل میں خلل کا خطرہ محسوس کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے خاتمہ خیر کی تمنا کرتا ہے۔ اور پکار اٹھتا ہے:

﴿ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴾

''مجھے مسلمانی میں موت دے اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔''

رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل بڑی جامع دعا بیان کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِيْ وَتَرْحَمَنِيْ وَاِذَا اَرَدْتَّ فِتْنَةً فِيْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِيْ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ. [ترمذی، رقم: ٣٢٣٥ فی تفسیر سورۂ ص۔ مسند احمد، ج: ٥، ص: ٢٤٣]

''اے اللہ میں آپ سے اچھے کام کرنے اور برے کام چھوڑ دینے اور مسکینوں سے محبت کرنے کی توفیق طلب کرتا ہوں، اور مجھے معاف فرما دیجیے اور مجھ پر رحم فرمایئے، اور آپ جب قوم کو کسی آزمائش میں مبتلا کرنے کا فیصلہ فرمائیں تو فتنہ سے بچا کر مجھے اپنے پاس بلا لیجیے۔''

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: نفقة الرجل علی أهله

آدمی کا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا

٧٦٩. عن ثوبان، عنِ النَّبِيِّ ﷺ قالَ: ((أَفْضَلُ دِيْنَارٍ يُنْفِقُه الرَّجُلُ دينارٌ أَنفقَهُ على عِيَالِهِ، ودِيْنَارٌ أَنفقَهُ على أَصْحَابِهِ في سبيلِ اللّٰهِ، ودينارٌ أَنفقَهُ عَلى دَابَّتِهِ في سبيلِ اللّٰهِ.)) قال أَبُو قِلابَةَ: وَبَدَأَ بِالعِيَالِ وَأَيُّ رجلٍ أَعظمُ أَجْرًا مِنْ رجلٍ يُنفقُ عَلى عيالٍ صِغَارٍ حتّى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ؟ [صحيح مسلم]

''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: افضل دینار وہ ہے جو آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے اور اس کے بعد وہ دینار ہے جو اپنے دوستوں پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار ہے جو اپنے جانور پر خرچ کرتا ہے۔ ابوقلابہ کہتے ہیں عیال سے شروع کیا ہے اس آدمی سے بڑا اجر کس کو مل سکتا ہے جو اپنے چھوٹے بچوں پر خرچ کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے ان بچوں کو بے نیاز کر دے۔''

٧٧٠. عن أبي مسعود البَدْرِيّ، عن النَّبِيِّ ﷺ قالَ: ((مَنْ أَنْفَقَ نَفَقَةً على أهلِهِ وهُوَ يَحْتَسِبُها كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ.)) [صحيح البخاري]

''حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا اور وہ اجر کی امید رکھتا ہو یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔''

٧٧١. عن جابر قالَ: قالَ رجلٌ: يا رسولَ اللّٰهِ، عِنْدِي دينَارٌ؟ قالَ: ((أَنْفِقْهُ عَلٰى نَفْسِكَ)) قالَ: عِنْدِي آخَر؟ فقالَ: ((أَنْفِقْهُ عَلٰى خَادِمِكَ - أو قالَ - عَلٰى وَلَدِكَ)) قالَ: عِنْدِي آخرَ؟ قالَ: ((ضَعْهُ في سبيلِ اللّٰهِ وهو أخسُّها.)) [صحيح]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی جان پر خرچ کر پھر عرض کیا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے خادم پر خرچ کر یا کہا اپنی اولاد پر خرچ کر۔ پھر عرض کیا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر اور یہ اخس ہے۔ یہ سب سے کم درجہ کا ہے۔''

٧٧٢. عن أبي هريرة، عن النَّبِيِّ ﷺ قالَ: ((أَرْبعةُ دَنَانِيْرَ: دِيْنَارًا أَعْطيته مِسْكِيْنًا، وَدِينَارًا أَعطيتَهُ في رقبةٍ، وديناراً أنفقتَهُ في سبيلِ اللّٰهِ، وديناراً أنفقتَهُ على أَهْلِكَ، أفضلها الَّذِي انفقتَهُ على أَهْلِكَ.)) [صحيح مسلم]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار دینار میں ایک وہ ہے جو تو نے مسکین کو دیا۔ دوسرا وہ ہے جو تم نے غلام کی آزادی پر خرچ کیا۔ تیسرا وہ دینار جو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ چوتھا وہ ہے جو اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا۔ سب سے افضل ترین وہ دینار ہے جو تم نے

اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا۔''

باب :یؤجر فی کل شیء حتی اللقمة یرفعها إلی فی امرأته

ہر چیز میں ثواب ملتا ہے یہاں تک کہ وہ لقمہ جو اپنی بیوی کے لیے کمائے (منہ میں ڈالے)

۷۷۳ . عن سعدِ بن أبی وقاص أنّه أخبرَهُ، أنَّ النَّبِیَّ ﷺ قالَ لسعدٍ: ((إنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِیْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، إلّا أُجِرْتَ بِهَا، حتّی مَا تَجْعَلُ فِی فَمِ امرأتِكَ .))[صحیح]

''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا: تم کو ہر اس چیز کا ثواب ملے گا جو تم اللہ کی رضا کی خاطر کرو گے یہاں تک کہ جو تو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے گا اس کا اجر بھی ملے گا۔''

فائدہ: یہ اجر ابتغاء وجہ اللہ کے ساتھ مربوط ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حصول اجر و قبول عمل کے لیے نیت ضروری ہے۔ نیت کے ہمراہ ذرہ برابر عمل خیر بھی بے اجر نہیں رہتا اور بدون نیت کے کیسا ہی عمدہ کام کیوں نہ کرے کچھ سودمند نہیں ہوتا۔ (نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃ)

باب : الدعاء إذا بقی ثلث اللیل

دعا کرنا جب ایک تہائی رات باقی رہ جائے

۷۷٤ . عن أبی هریرةَ أنَّ رسولَ اللّٰه ﷺ قالَ: ((یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰی فِیْ كُلِّ لَیْلَةٍ إلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا حِینَ یَبْقٰی ثُلُثُ اللّیلِ الآخِرِ فیَقُولُ: مَنْ یَدْعُوْنِی فأَسْتَجِیْبَ لهُ؟ مَنْ یَسْأَلُنِی فأُعْطِیَهُ؟ مَنْ یَسْتَغْفِرُنِی فَأَغْفِرَ لَهُ .))[صحیح]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا پروردگار آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے جو کوئی مجھے پکارے گا میں اس کی سنوں گا جو مانگے گا اسے دوں گا جو مجھ سے مغفرت طلب کرے گا میں اس کو بخش دوں گا۔''

احکام ومسائل

حقیقت قربانی اور مسائل واحکام

ڈاکٹر حافظ ثنار مصطفیٰ، الہ آباد (وزیر آباد)

ربّ ارض وسماء نے بنی نوع انسان کو قرب، تقرب ورضا اور نزدیکی حاصل کرنے کے لیے مختلف ذرائع اور موقع مہیا کیے ہیں تاکہ مسلمان کسی نہ کسی ذریعے اور موقع سے فائدہ حاصل کرکے جہاں خالق کون ومکان کا قرب حاصل کرے وہاں وہ دنیا وآخرت کی جملہ حسنات اور بھلائیوں سے بھی اپنے دامن کو بھرلے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

قربانی کرنا ہرامت کے لیے مشروع رہا:

قربانی کرنا جو کہ اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کا ایک مؤثر ومعتبر ذریعہ ہے۔ ہرامت اور قوم وملت کے لیے مشروع رہا ہے۔ چناں چہ فرمانِ ربّ تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ﴾ [الحج: ٣٤]

''اور ہر قوم کے لیے ہم نے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے تاکہ چوپائے جانوروں پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیئے ہیں اللہ تعالیٰ کا نام لیں۔''

امت محمدیہ کے لیے مشروعیت قربانی:

فرمانِ ربّ العالمین ہے:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ [الکوثر: ٢]

''پس اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

"اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِالْمَدِيْنَةِ عَشَرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ." [جامع ترمذی، ابواب الاضاحی، ج: ١، ص: ٢٧٧]

''رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں دس برس رہے (اور ہر سال) قربانی کرتے رہے۔''

جبلہ بن سحیم بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے قربانی کے متعلق سوال کیا کہ کیا وہ واجب ہے؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا:

"ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُسْلِمُوْنَ."

''رسول اللہ ﷺ اور مسلمان قربانی کیا کرتے تھے۔'' اس شخص نے دوبارہ یہی سوال کیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا:

"اَتَعْقِلُ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُسْلِمُوْنَ."

''کیا تجھے سمجھ ہے؟ (پہلے بھی بتایا ہے کہ) رسول اللہ ﷺ اور تمام مسلمان قربانی کیا کرتے تھے۔''

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ الْاَضْحِيَةَ لَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ وَّلٰكِنَّهَا سُنَّةٌ مِّنْ سُنَنِ النَّبِيِّ."

''اہل علم کے ہاں اس پر عمل ہے بلاشبہ قربانی واجب نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔''

[جامع ترمذی، ج: ١، ص: ٢٧٧]

اس حدیث کے متعلق

"مَنْ كَانَ لَهٗ سَعَةٌ وَّلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا." [ابن ماجہ۔ احمد]

''جس شخص کو قربانی دینے کی توفیق ہو پھر وہ قربانی نہ کرے وہ نماز پڑھنے کے لیے ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔''

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ، لٰكِنِ اخْتُلِفَ فِيْ رَفْعِهٖ وَوَقْفِهٖ، وَالْمَوْقُوْفُ اَشْبَهُ بِالصَّوَابِ." [تحفة الاحوذی،

ج: ۵، ص: ۹۵]

''اس کے رواۃ ثقہ ہیں مگر اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے البتہ اس کا موقوف ہونا ہی زیادہ درست ہے۔یعنی صحابی کا قول ہے نہ کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان۔''

حافظ ابن حجر بلوغ المرام باب الاضاحی میں فرماتے ہیں:

وَرَجَّحَ الْاَئِمَّةُ غَيْرُهُ وَقْفَهُ .

حاکم کے علاوہ دوسرے ائمہ نے اس کے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔

قربانی کے معنی:

ہر وہ عمل جو قربِ الٰہی کے حصول کے لیے کیا جائے قربانی ہے خواہ لسانی جنبش ہو یا جسمانی حرکات وسکنات ہوں۔خواہشات نفس کا کچلنا ہو یا خورد ونوش سے رکنا ہو، یا پھر مال وجان نچھاور کر کے یہ گوہر نایاب حاصل کیا جائے۔غرضیکہ ہر وہ عمل جو تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنے قربانی ہے۔نماز کے متعلق ہے کہ اَلصَّلٰوةُ قُرْبَانُ كُلِّ تَقِيٍّ .

''نماز ہر پرہیزگار شخص کے لیے موجب تقربِ الٰہی ہے۔'' اسی طرح عیدالاضحیٰ کے دن بعد از نماز عید جانور ذبح کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی مسلمانوں کی طرف سے سعی جمیل کی جاتی ہے اس لیے اسے قربانی کرنا کہا جاتا ہے۔قربانی کا لفظ قربان سے ہی مورد ہے۔ واللہ اعلم

فضائل قربانی:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَا عَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ اِنَّهُ لَيَاتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ مِنَ الْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا ." [جامع ترمذی اوّل، ص: ۲۷۵، ابواب الاضاحی باب ما جاء فی فضل الاضحیة]

''عیدالاضحیٰ کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدمی کا سب سے زیادہ محبوب عمل جانور کا خون بہانا ہے اور قیامت کے دن قربانی کا وہ جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت آئے گا اور یہ کہ جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے قبولیت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔''

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے کہا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِيْ؟ قَالَ: "سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ" قَالُوْا: فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ" قَالُوْا: فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: "بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ ." [ابن ماجه، احمد]

''اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ قربانی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔صحابہ نے عرض کیا ہمیں کیا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا قربانی کے ہر بال کے بدلے نیکی ملے گی۔لوگوں نے کہا اُون والے جانور کا کیا اجر ہے؟ فرمایا: اُون کے ہر بال کے بدلے اللہ تعالیٰ نیکی دے گا۔''

قربانی کی شرائط

قربانی کی قبولیت کی درج ذیل شرائط ہیں، جن کا اہتمام نہایت ضروری ہے:

(۱) تقویٰ:

قربانی کرنے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ کا اس قدر خوف، خشیت اور ڈر ہو کہ اس کے احکام کو بلا چون وچرا ماننے اور نواہی سے بلا حیل وحجت گریز کرے اور کنارہ کش رہے۔چناں چہ فرمان ربّ تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [المائدة: ۲۷]

''اللہ تعالیٰ صرف اور صرف متقی لوگوں سے (قربانی) قبول کرتا ہے۔''

(۲) حلال مال:

فرمانِ رسولِ کریم ﷺ ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا ."

[مشکوٰۃ بحوالہ مسلم]

''بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے لہٰذا وہ صرف اور صرف پاک (مال وغیرہ) ہی قبول کرتا ہے۔''

(۳) بدعت سے احتراز:

قربانی کرنے والے کے لیے از حد ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کی بدعت سے اظہار بیزاری کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے دور رہے۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مقدس ہے:

((اَبَی اللّٰہُ اَنْ یَّقْبَلَ عَمَلَ صَاحِبِ بِدْعَۃٍ حَتّٰی یَدَعَھَا .))

''اللہ تعالیٰ نے بدعتی کے عمل کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے حتیٰ کہ وہ بدعت کو ترک کر دے۔''

(۴) اخلاص:

ارشادِ ربانی ہے:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ﴾ [الکوثر: ۲]

''پس تو اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔''

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو حکم دیتا ہے:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ [الانعام: ۱۶۲]

''اے نبی ﷺ کہہ دو بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو جہانوں کا ربّ ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ ذیشان ہے:

((لَا یَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا کَانَ خَالِصًا وَابْتُغِیَ بِہٖ وَجْھُہٗ .))

''وہ (اللہ) نہیں قبول کرتا کوئی عمل مگر یہ کہ وہ خالص (اللہ کے لیے) ہو اور اس کے ساتھ وہ (شخص جو عمل کر رہا ہے) اس (اللہ) کی رضا تلاش کرے۔''

(۵) نماز کے بعد قربانی کرنا:

"مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوۃِ فَاِنَّمَا یَذْبَحُ لِنَفْسِہٖ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ فَقَدْ اَتَمَّ نُسُکَہٗ وَاَصَابَ سُنَّۃَ الْمُسْلِمِیْنَ ." [رواہ الشیخان]

''جس نے عید کی نماز سے قبل جانور ذبح کیا تو وہ اپنے نفس کے لیے ذبح کرتا ہے (قربانی نہیں کرتا۔) اور جس نے نمازِ عید (اور دونوں خطبوں) کے بعد ذبح کیا تو بلاشبہ اس نے اپنی قربانی کو پورا کیا اور مسلمانوں کی سنت کو پا لیا۔''

براء بن عازب کہتے ہیں کہ میرے ماموں نے جنہیں ابوبردہ کہا جاتا ہے نماز عید سے قبل قربانی کر دی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو کہا ((شَاتُکَ لَحْمٌ)) ''تیرا ذبیحہ عام ذبیحہ ہے نہ کہ قربانی۔'' [سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب ما یجوز من السن فی الضحایا]

قربانی کرنے والا شخص جانور کی شرائط تو پوری کر دیتا ہے مگر اپنی ذات کی شرائط پوری کرنے کی طرف نہ ہی وہ توجہ دیتا ہے اور نہ ہی کوشش کرتا ہے۔

جانور ذبح کرنے کے آداب:

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں دو خصلتیں ایسی ہیں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں۔ آپ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَۃَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَ وَلْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَہٗ وَلْیُرِحْ ذَبِیْحَتَہٗ .))

[سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب فی الرفق بالذبیحۃ]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا لکھ دیا ہے پس جب تم (کسی دشمن کو یا قصاصاً کسی کو) قتل کرو تو اچھے طریقہ سے قتل کرو (نہ مثلہ کرو نہ جلاؤ) اور جب تم جانور کو ذبح کرو تو اچھے طریقے سے اسے ذبح کرو، تم میں کوئی ایک اپنی چھری کو

تیز کرے اور اپنے ذبیحہ (ذبح ہونے والے جانور) کو آرام پہنچائے۔"

اگر کسی کو چھری وغیرہ نہ ملے تو وہ ہر اس چیز سے جانور ذبح کر سکتا ہے جس سے جانور کا خون بہہ پڑے۔ چناں چہ حضرت عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ!

((اَرَاَیْتُ اَنَّ اَحَدَنَا اَصَابَ صَیْدًا وَلَیْسَ مَعَہٗ سِکِّیْنٌ اَیَذْبَحُ بِالْمَرْوَۃِ وَشَقَّۃِ الْعَصَا فَقَالَ: اَمْرِرِ الدَّمَ بِمَا شِئْتَ وَاذْکُرِ اسْمَ اللّٰہِ .)) [سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب الذبیحۃ بالمروۃ]

"آپ کا اس بارے میں کیا حکم ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک شکار پا لیتا ہے اور اس کے پاس چھری نہیں تو کیا وہ پتھر یا لاٹھی کے کنارہ کے ساتھ جانور کو ذبح کر لے تو آپ نے فرمایا جس چیز کے ساتھ تیری مرضی ہے (ذبح کر اگر چھری وغیرہ نہ ملے لیکن شرط یہ ہے کہ) خون بہا اور اللہ کا نام لے۔"

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا:

((أَنْ تُحَدَّ الشِّفَارُ وَاَنْ تُوَارٰی عَنِ الْبَھَائِمِ، وَقَالَ: اِذَا ذَبَحَ اَحَدُکُمْ فَلْیُجْھِزْ .)) [احمد، ابن ماجه في اسناده عند ابن ماجة ابن لهيعة وفيه مقال معروف]

"کہ چھریوں کو تیز کیا جائے اور جانوروں سے چھپایا جائے اور آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک ذبح کرے تو جلدی کرے۔"

قربانی کی دعا:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یوم ذبح (عید الاضحیٰ کے دن) نبی کریم ﷺ نے دو سینگوں والے چت کبرے خصی مینڈھے ذبح کیے پس جب آپ نے ان کو (قبلہ کے رخ) متوجہ کیا (لٹایا) تو آپ نے کہا:

((اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذَالِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّاُمَّتِہٖ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، ثُمَّ ذَبَحَ .)) [سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا]

"بے شک میں نے اپنا چہرہ اس ذات کے سپرد کر دیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر (چلتے ہوئے) جو یکسو تھے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو جہانوں کا ربّ ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں۔ اے اللہ (یہ قربانی) تیرے ہی حکم سے ہے اور تیرے لیے ہے۔ محمد ﷺ سے اور ان کی امت سے اللہ کے نام کے ساتھ (میں ذبح کرتا ہوں) اور اللہ سب سے بڑا ہے (جب آپ نے یہ دعا پڑھ لی) پھر آپ نے ذبح کیا۔"

قربانی کا پس منظر:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ چوں کہ ((رُؤْیَا الْاَنْبِیَاءِ فِی الْمَنَامِ وَحْیٌ)) "انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔" [ابن کثیر: ٤/ ١٥] کے پیش نظر بیٹے سے مدعا بیان کیا اطاعت شعار بیٹا فوراً ذبح ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔ چناں چہ فرمان ربّ تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴾ [الصافات: ١٠٢]

"(ابراہیم نے) کہا اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ تیری کیا رائے ہے؟ (بیٹے نے) جواب دیا۔ اے ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہ کر گزریئے، ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔"

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

اللہ اکبر! یاللعجب! وہ کیا سماں ہوگا جب بوڑھا باپ اپنے اکلوتے، خوبرو، خوب سیرت، خوب صورت، متقی وپارسا، نیک وصالح اور بڑھاپے میں مانگے ہوئے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہوا ہوگا۔ چشم فلک نے ایسا حیرت انگیز منظر نہ کبھی اس سے پہلے دیکھا ہوگا اور نہ کبھی اس کے بعد دیکھ سکے گی۔ ہوا کے جھونکوں نے ایسے مجسمہ اطاعت اور سراپا تابع فرمان جذبات کبھی نہ چھوئے ہوں گے۔ سورج کی آنکھ نے ایسا عجیب واقعہ کبھی نہ دیکھا ہوگا، اور وسعت صحرا کے خاموش سناٹوں میں ایسا محیر العقول حادثہ کبھی رونما نہ ہوا ہوگا۔

انسانی عقل محو حیرت ہے کہ یہ کیسا باپ ہوگا جو اپنے بڑھاپے کے سہارے کو خود توڑنے جا رہا ہے، اپنی آرزوؤں کے گلے کو خود کاٹ رہا ہے، اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک سے اپنے آپ کو بذات خود محروم کر رہا ہے، اپنی آنکھوں کے نور کو آپ ہی بجھا رہا ہے اور اپنے لخت جگر کا خود ہی قلع قمع کر رہا ہے۔

مختصر یہ کہ جب باپ اور بیٹا دونوں آزمائش کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد کھرے اور خالص نکلے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ ۝ سَلَامٌ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾

''اور ابراہیم کا ذکر خیر ہم نے پچھلے لوگوں میں باقی رکھا ہے۔ ابراہیم پر سلام ہے ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں (جیسے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دیا ہے۔'' [الصافات: ۱۰۸ تا ۱۱۰]

قربانی کے تقاضے

(۱) خواہشات کو ذبح کرنا:

رضائے الٰہی کے لیے اپنی خواہشات نفسانی اور مشتہیات حیوانی کو اسی طرح ذبح کرو جس طرح تم جانور کو ذبح کرتے ہو۔ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((لَا يُوْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ .)) [مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالكتاب والسنة]

''تم میں کوئی بھی اس وقت تک ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک اس کی ہر خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔''

جو شخص تعلیمات نبوی کو چھوڑ کر خواہشات کے پیچھے چلتا ہے اس کے متعلق اللہ رب العالمین فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [القصص: ۵۰]

''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بغیر (یعنی اسے چھوڑ کر) اپنی خواہش پر چلے اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا؟ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

ایسے شخص کی بابت مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ [الجاثية: ۲۳]

''(اے نبی) کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا اللہ بنا لیا ہے اور اللہ نے جیسے اس کے علم میں تھا اس کو گمراہ کر دیا ہے اس کے کان اور دل پر مہر کر دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے جب اس کو گمراہ کیا اب کون اس کو راہ پر لا سکتا ہے کیا تم غور نہیں کرتے؟''

نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

(۲) رضائے الٰہی کا حصول:

اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور اس کا تقرب پانے کے لیے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے مستعد اور آمادہ ہوئے تھے اسی طرح ہمیں بھی بوقت ضرورت اپنی محبوب سے محبوب تر چیز اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے

سلسلہ میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے۔ چناں چہ فرمانِ رب تعالیٰ ہے:

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴾ [آلِ عمران : ۹۲]

''جب تک تم ان چیزوں سے خرچ نہ کرو جن سے تم کو محبت ہے نیکی کا درجہ ہرگز نہ پاسکو گے اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ کو معلوم ہے۔''

حکمت قربانی: عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنے کی حکمت ومقصد کے متعلق الشیخ سید سابق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَالْاَضْحِيَةُ شَرَعَهَا اللّٰهُ اِحْيَاءً لِذِكْرٰى اِبْرَاهِيْمَ وَتَوْسِعَةً عَلَى النَّاسِ يَوْمَ الْعِيْدِ، كَمَا قَالَ الرَّسُوْلُ ﷺ: اِنَّمَا هِيَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ." [فقه السنة: ۱۹۶/۳]

''اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی یاد کو زندہ رکھنے کے لیے اور عید کے دن لوگوں پر وسعت کے لیے قربانی کرنے کو مشروع قرار دیا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔ بے شک یہ (ایام تشریق: ۱۱،۱۲،۱۳ ذوالحجہ) کھانے، پینے اور اللہ کو یاد کرنے کے دن ہیں۔''

قربانی کرنے کا روحانی مقصد یہ ہے کہ عوام الناس میں اللہ تعالیٰ کے لیے سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ اس کارِ خیر کا اخلاقی مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنی خواہشات کو کچل کر اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے تابع ومطیع بن جائیں۔ اس عمل عظیم کا معاشرتی مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں اسلامی تعلیمات وروایات زندہ وجاوید رہیں۔ جب کہ اس نیک کام کا معاشی مقصد لوگوں کی خصوصاً ان لوگوں کی جو جانوروں کا کاروبار کرتے ہیں معاشی خوشحالی ہے اور جو قربانی نہیں کر سکتے یا معاشرے کے کمزور لوگ ہیں ان کے ساتھ ایثار، معاونت اور عید کی خوشیوں میں شمولیت ہے۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کرنے کے معاشرتی مقصد کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

﴿ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ﴾ [الحج : ۳۶]

''تم خود بھی کھاؤ اور جو سوال نہیں کرتے انہیں بھی اور جو سوال کرتے ہیں انہیں بھی کھلاؤ۔''

منکرین قربانی عقل مند یا بے وقوف؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ [آلِ عمران : ۹۵]

''کہہ دو اللہ نے سچ کہہ دیا پس تم ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کرو جو یک سو تھے اور وہ مشرکوں سے نہیں تھے۔''

قرآنِ مجید میں دوسری جگہ ارشاد ربّ العالمین ہے:

﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ﴾

''پھر ہم نے (اے نبی) آپ کی طرف وحی کی: ''ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو یک سو تھے۔'' [النحل : ۱۲۳]

قربانی کرنا ملت ابراہیم میں شامل ہے اور اس کا حصہ ہے۔ لہٰذا جو اس کا انکار کرے اور اس سے اعراض کرے وہ بے وقوف ہے۔ چناں چہ ارشاد ربّ تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ﴾

''اور کون ہے جو ابراہیم علیہ السلام کی ملت سے اعراض کرے مگر وہ جس نے اپنے نفس کو بے وقوف بنالیا ہو۔'' [البقرۃ : ۱۳۰]

قربانی کی حکمت اور مقاصد کو سمجھنے کے بعد اس کو اسراف اور تبذیر سے تعبیر کرنا عین حماقت ہے۔

تقویٰ ہی مقصود قربانی ہے: ارشاد ربّ کائنات ہے:

﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ﴾ [الحج: ۳۷]

''اللہ تعالیٰ کو ان (قربانی کے جانوروں) کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اس کو تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔''

سودا گری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

مسائل قربانی

①......جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے وہ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد نہ بال منڈوائے، نہ کترائے اور نہ ہی ناخن کاٹے۔ یہاں تک کہ قربانی کرلے۔[سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب الرجل یاخذ من شعرہ العشر وھو یرید ان یضحی]

نوٹ ......:نمازعید کے بعد قربانی کرنے والا اس وقت تک نہ بال منڈوائے، نہ کتروائے اور نہ ہی ناخن کاٹے جب تک قربانی کا جانور ذبح نہ کرلے خواہ وہ چوتھے دن ہی قربان کرے۔ کیوں کہ حدیث کے الفاظ میں ((حَتّٰی یُضَحِّیَ)) یا کہ ((حَتّٰی یُصَلِّیَ)) واللہ اعلم

②......اگر کسی شخص میں قربانی کرنے کی سکت نہ ہو تو وہ عیدالاضحیٰ کے دن اپنے جسم کی صفائی کرے اور مونچھوں کو کتروائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی مکمل قربانی تصور ہوگی۔[سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب فی ایجاب الاضاحی]

نوٹ ......:قربانی نہ کرنے والے شخص پر یہ پابندی نہیں کہ وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھ کر بال وغیرہ نہ منڈوائے اور نہ کترائے اور نا ہی ناخن کاٹے۔ لہٰذا وہ اس معاملہ سے آزاد ہے لیکن یہ عمل وہ عیدالاضحیٰ کے دن کرے گا تو تب ہی اسے ثواب ملے گا۔ واللہ اعلم

③...... جب قربانی میسر ہو تو پھر اسے ذبح کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اسے عیدالاضحیٰ کے پہلے دن ہی ذبح کردینا چاہیے۔ کیوں کہ حدیث شریف میں ہے، (جس کی سند اگرچہ کمزور ہے):

((مَا عَمِلَ آدَمِیٌّ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ اِھْرَاقِ الدَّمِ .))[جامع ترمذی، جلد اوّل، ص: ۲۷۵، ابواب الاضاحی، باب ما جاء فی فضل الاضحیۃ]

''عیدالاضحیٰ کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل جانور کا خون بہانا ہے۔'' پھر فرمان ربّ تعالیٰ ہے:

﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ﴾ [البقرۃ: ۱۴۸]

''نیکیاں کرنے میں تم آگے بڑھو۔''

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ اَیَّامٍ اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ فِیْھِنَّ مِنْ ھٰذِہِ الْاَیَّامِ قَالُوْا وَلَا الْجِھَادُ . قَالَ وَلَا الْجِھَادُ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِخَاطِرِ نَفْسِہٖ وَمَالِہٖ فَلَمْ یَرْجِعْ بِشَیْءٍ .))[صحیح بخاری، جلد اوّل، ص: ۱۳۲]

''ان دنوں میں (ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں) کیے گئے نیک اعمال اللہ تعالیٰ کو دوسرے دنوں میں کیے گئے نیک اعمال کی نسبت زیادہ محبوب ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ کی راہ میں جہاد سے بھی؟ (کیا ان دنوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ ہیں) آپ نے فرمایا: ہاں، (جہاد سے بھی زیادہ محبوب ہیں) لیکن (یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ) ایک شخص اپنے نفس کی خوشی کے ساتھ اور اپنے مال کے ساتھ نکلتا ہے پھر وہ کوئی چیز لے کر واپس نہیں لوٹتا۔''

فرمان نبی کریم ﷺ ہے:

((اَوَّلُ مَا نَبْدَاُ فِیْ یَوْمِنَا ھٰذَا الصَّلٰوۃُ ثُمَّ نَرْجِعُ فَنَنْحَرْ .))[بخاری، کتاب العیدین، باب التکبیر للعید]

''عید کے دن ہم جس کام کو پہلے شروع کرتے ہیں وہ نماز ہے پھر لوٹ کر قربانی ذبح کرتے ہیں۔''

ایام قربانی:

قربانی کرنے کا وقت عیدالاضحیٰ کی نماز ادا کرنے کے بعد سے لے کر ذوالحجہ کی تیرہ تاریخ تک ہے یعنی قربانی کرنے والا وقت چار دنوں پر محیط ہے (۱۰،۱۱،۱۲،۱۳)۔ چناں چہ حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔''

[دار قطنی، احمد]

ایام تشریق گیارہ، بارہ اور تیرہ ذوالحجہ کی تاریخوں پر محیط ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: فقہ السنۃ (۳/ ۱۹۷)۔ زاد المعاد (۱/ ۲۴۶)۔ فتح الباری، نیل الاوطار (۵/ ۱۳۳۔ ۱۳۴)

جانور بے عیب ہو:

قربانی کا جانور ایسا لنگڑا نہ ہو جس کا لنگڑا پن واضح ہو، ایسا کانا جس کا نقص (کانا پن) واضح ہو، ایسا مریض نہ ہو جس کی بیماری واضح ہو اور ایسا بوڑھا نہ ہو جس کی ہڈیوں میں مغز تک باقی نہ ہو۔ [جامع ترمذی، ابواب الاضاحی، باب ما لا یجوز من الاضاحی]

قربانی کا جانور ایسا نہ ہو کہ جس کا کان اگلی طرف یا پچھلی طرف سے یا جڑ سے کٹا ہوا ہو، نہ اس کا کان لمبائی میں چرا ہوا ہو، نہ اس کے کان میں گول سوراخ ہو، ایسا کمزور بھی نہ ہو جو راستہ میں دوسرے جانوروں کے ساتھ نہ چل سکتا ہو، یا جو ہڈی کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے بے کار ہو۔

جس جانور کے سینگ یا کان کا تیسرا حصہ یا اس سے کم کٹا ہوا ہو تو وہ جائز ہے۔

خصی جانور ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

[سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا]

قربانی کا جانور خریدنے کے بعد اگر درج بالا عیوب میں سے کوئی عیب پیدا ہو جائے تو قربانی تبدیل کرنا ضروری ہے۔ اگر ان عیوب کے علاوہ کوئی عیب ہو مثلاً دانت کا ٹوٹنا، پٹھی کا ایک طرف جھکا ہونا اور دم کا کٹا ہوا ہونا وغیرہ تو قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دنبہ خریدا بھیڑیئے نے اس پر حملہ کر دیا اور اس کی چکی کاٹ لی نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ذبح کرلو کوئی حرج نہیں۔ حاملہ جانور کی قربانی میں بھی کوئی حرج نہیں۔ (واللہ اعلم)

[احمد، ابن ماجہ، بیہقی، فی اسنادہ جابر الجعفی وھو ضعیف جدا انظر التفصیل نیل الاوطار: ٥/ ١٢٦]

قربانی کا جانور دوندا ہونا چاہیے اگر دوندا نہ ملے تو پھر ضان (جنس بھیڑ) کا جذعہ (کھیرا) درست ہے۔

[مسلم، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ]

لسان العرب میں ہے: ((اَلْجَذْعَةُ مَالَهُ سَنَةٌ)).

''جذعہ ایک سال کا ہوتا ہے۔''

عورت بھی قربانی کے جانور کو ذبح کر سکتی ہے۔

''صحابی رسول ﷺ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کریں۔''

[صحیح بخاری]

ایک بکرا ایک گھر کے جمیع افراد کی طرف سے کافی ووافی ہوتا ہے۔

چناں چہ ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"كَانَ الرَّجُلُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُضَحِّيْ بِالشَّاةِ عَنْهُ وَعَنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ فَيَاكُلُوْنَ وَيُطْعِمُوْنَ حَتّٰى تَبَاهَى النَّاسُ فَصَارَ كَمَا تَرٰى." [جامع ترمذی، ابواب الاضاحی، باب ما جاء ان الشاة الواحدة تجزی عن اهل بیت]

''رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکرا (دنبہ یا مینڈھا) قربانی کیا کرتا تھا پس وہ (اس بکرے کا گوشت) خود (بھی) کھاتے اور (لوگوں کو بھی) کھلاتے حتیٰ کہ لوگوں نے فخر کیا تو معاملہ وہ ہو گیا جو تو اب دیکھتا ہے۔''

اونٹ اور گائے میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ چناں چہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"نَحَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالْحُدَيْبِيَةِ الْبُدْنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَّالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ." [جامع ترمذی، ابواب الاضاحی، باب ما جاء فی الاشتراك فی الاضحیة]

''حدیبیہ میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے سات افراد کی طرف سے اونٹ اور سات افراد کی طرف سے (ہم نے) گائے (قربانی کے طور پر) ذبح کی۔''

نوٹ ......: اونٹ میں دس افراد کی شراکت ثابت ہے۔ چناں چہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

"كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الْاَضْحٰى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةٌ وَفِي الْبَعِيْرِ عَشْرَةٌ."

[جامع ترمذی، ابواب الاضاحی، باب ما جاء فی الاشتراك فی الاضحیة۔ سنن نسائی، ابن ماجه]

''سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ عیدالاضحیٰ آ گئی پس گائے میں ہم سات اور اونٹ میں ہم دس افراد شریک ہوئے۔''

اونٹ کی قربانی میں سات افراد کا یا دس افراد کا شامل ہونا دونوں طرح کا عمل نبی کریم ﷺ کے سامنے ہوا اور آپ نے کسی سے روکا نہیں۔لہٰذا دونوں عمل درست ہیں۔جس کی صورت یہ ہے کہ دورانِ حج اونٹ میں صرف سات افراد شریک ہوں اور عام حالات میں دس افراد شریک ہوسکتے ہیں۔(واللہ اعلم)

قربانی کے جانور کی کھال کا مصرف:

قربانی کے جانور کی کھال کو صدقہ کرنا افضل اور بہتر ہے۔کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اَتَصَدَّقَ بِجُلَالِ الْبُدْنِ الَّتِیْ نَحَرْتُ وَبِجُلُوْدِهَا." [صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الجلال للبدن]

''رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں نے جو قربانیاں کی ہیں ان کی جلیں اور کھالیں صدقہ کروں۔''

صدقہ اور زکوٰۃ کے آٹھ مصارف ہیں جو کہ سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۶۰ میں بیان ہوئے ہیں: (۱۔فقراء۔۲۔مساکین۔۳۔صدقہ وزکوٰۃ کی تحصیل پر عمل کرنے والے۔۴۔تالیف قلب کی خاطر۔۵۔غلام آزاد کرنے پر۔۶۔قرض دار۔۷۔اللہ کی راہ میں۔۸۔اور مسافر) قربانی کے جانور کی کھال یا گوشت وغیرہ کو ذبح کرنے کی اجرت میں نہیں دینا چاہیے۔چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ نے حکم دیا تھا:

"وَلَا اُعْطِیَ فِیْ جَزَارَتِهَا شَیْئًا مِنْهَا."

''(حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ) میں ان کی ذبح کرنے کی اجرت میں ان قربانیوں سے کوئی چیز نہ دوں۔'' [متفق علیه]

قسط ...... (۲) آخری

صحیح مسلم شروح، حواشی اور تراجم کا مختصر تعارف

کاشف رضا سلفی، مدرس جامعہ بحر العلوم السّلفیہ سندھ

صحیح مسلم شریف کامل اردو:

یہ ترجمہ کرنے والے آغا رفیق صاحب بلند شہری ہیں۔ اس مترجم میں مکمل صحیح مسلم کا صرف ترجمہ ہے۔ ضخامت سے بچتے ہوئے مترجم نے مکرر روایات، اسناد، عربی عبارت کو حذف کر دیا ہے۔ ترجمہ میں فقط صحابی کے نام پر اکتفاء کرتے ہوئے باقی سند کو حذف کر دیا ہے، کسی خاص بات کی طرف اشارہ کے لیے قوسین ( ) کا استعمال کرتے ہیں، بوقت ضرورت اپنی طرف سے تعلیقات بھی لگاتے ہیں۔

اس مترجم کا پرانا نسخہ مطبوعات اسلامیہ دار الاشاعت دہلی ہندوستان نے شائع کیا تھا۔

صحیح مسلم عربی اردو مع شرح النووی:

یہ ترجمہ لکھنے والے سید رئیس احمد ندوی رحمہ اللہ ہیں۔ اس مترجم میں عربی عبارات صفحہ کی دائیں جانب اور ترجمہ بائیں جانب اور تعلیقات وتشریحات نچلی جانب مذکور ہیں، اس کتاب میں صاحب ترجمہ نے ترجمۃ الکتاب والا ابواب پر نمبرنگ لگائی ہے۔ اس ترجمۃ الکتاب کو الگ صفحہ پر قائم کر کے اس کے تحت آنے والے باب کے متعلق ضروری اقتباسات درج کیے ہیں، اپنی طرف سے لگائی ہوئی تعلیق کے آگے قوسین میں احمد لکھ دیا ہے۔

اس ترجمہ کو نشر کرنے والے غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور کراچی، حیدرآباد والے ہیں۔

صحیح مسلم شریف مترجم اردو:

یہ ترجمہ مولانا عبدالرحمان صدیقی کاندھلوی رحمہ اللہ کا ہے۔ اس ترجمہ میں مقدمہ صحیح کا مکمل اردو ترجمہ مع عربی عبارت تحریر کیا ہے، احادیث کی مکمل سند ذکر کی ہے، فوائد وتشریحات میں اہل علم کے اقوال کو ذکر کیا ہے کثرت کی صورت میں اپنی ترجیحات کو ذکر کر دیا ہے، ابواب اردو مع عربی ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ ابواب اور احادیث پر ترقیم بھی لگائی ہے۔

اس ترجمہ کو شائع کرنے کا اہتمام محمد سعید اینڈ سنز نے کیا ہے اور قرآن محل بالمقابل مسافر خانہ کراچی نے شائع کیا ہے۔

صحیح مسلم شریف مع مختصر شرح النووی مترجم:

اس ترجمہ کو تحریر کرنے والے مشہور عالم دین علامہ وحید الزماں (متوفی ۱۳۳۸ھ) رحمہ اللہ ہیں۔

صاحب ترجمہ نے دوران ترجمہ فقط صحابی یا تابعی کے نام ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے، دوران ترجمہ خود ہی نقد پیش کر کے اس کا جواب تحریر کرتے ہیں، اسماء کا ضبط بیان کرنے کے ساتھ ساتھ طبعات اور نسخوں میں فرق ہونے کی بھی وضاحت کرتے ہیں، ترجمۃ الباب کی ابتداء میں ہی پورے باب کا نچوڑ بیان کر دیتے ہیں۔

اس ترجمہ کے تقریباً ۱۰ طبعات شائع ہو چکے ہیں، پاکستان میں پہلا طبع ۱۹۸۳ میلادی کو نعمانی کتب خانہ لاہور سے جب کہ بعد میں ضرورت کے مطابق وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔

المختصرات

مختصر صحیح مسلم:

امام ذکی الدین عبدالعظیم المنذری الدمشقی متوفی ۶۵۶ھ رحمہ اللہ نے

اپنی اس مختصر صحیح مسلم میں اصل کتاب صحیح مسلم کی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا بلکہ پڑھنے والے کو غور وفکر کرنے سے یہ فرق تراجم، ابواب اور احادیث میں مل جاتا ہے، یہ مختصر باقی مختصرات سے نمایاں ہے۔ امام ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هو كتاب خاص بطريقته وأسلوبه لا يشاركه في ذلك غيره من المختصرات . الخ

علامہ نواب صدیق حسن خان نے صحیح مسلم کی شرح السراج الوہاج لکھنے کے لیے اسی مختصر کا انتخاب کیا ہے۔

اس مختصر کا پہلا طبع مع شرح السراج الوہاج ۱۳۰۲ھ میں اور دوسرا بغیر شرح ۱۳۸۹ھ میں بیروت سے شائع ہوا تھا۔ جب کہ تیسری طبع علامہ ناصر الدین البانی کی تحقیق کے ساتھ ۱۴۰۷ھ کو مکتب الاسلامی نے شائع کیا۔

تلخیص صحیح لامام مسلم:

اس تلخیص کے مؤلف احمد بن عمر بن ابراہیم بن ابوالعباس القرطبی متوفی ۶۵۶ھ رحمہ اللہ ہیں۔ اس کتاب میں دو وجوہ سے اختصار کیا ہے۔

① ......تمام سند کو ذکر کرنے کی بجائے صرف صحابی یا تابعی کے نام پر اکتفا کیا ہے۔

② ......مکرر روایات ذکر کرنے کی بجائے موقع محل کے مطابق حدیث ذکر کرتے ہیں۔

یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اس پر تحقیق رفعت فوزی اور احمد محمود الخولی نے کی ہے۔

اسی مختصر کو مدنظر رکھ کر خود امام قرطبی نے صحیح مسلم کی شرح المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم کو تحریر کیا۔

اس تلخیص کو ۱۴۰۹ھ کو مکتبہ دارالسلام نے شائع کیا تھا۔

عشرون حديثا من صحيح مسلم:

اس تلخیص کا پورا نام "عشرون حديثا من صحيح مسلم ودراسة اسانيدها وشرح متونها" ہے، جس کے مؤلف کا نام عبدالمحسن بن حمد العباد حفظہ اللہ ہیں۔ یہ مختصر صرف ۲۰ روایات پر مشتمل ہے۔ اس مختصر میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا موازنہ کیا گیا ہے، اور صحیح مسلم کی روایت کی تخریج کرتے ہوئے بقیہ کتب کا حوالہ بھی درج کرتے ہیں۔ رواۃ کے بالاختصار تعارف کے لیے تقریب التہذیب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ حدیث کے ساتھ ساتھ متن کی مختصر لیکن جامع ترین شرح بھی کرتے ہیں اور مسائل کا استنباط بھی کرتے ہیں۔

پہلا طبع ۱۴۰۹ھ کو مرکز شؤن الدعوہ بالجامعہ الاسلامیہ مدینہ منورہ سے شائع کیا گیا۔

المستخرجات

المستخرج لأبي عوانه:

صحیح مسلم پر اس مستخرج کو لکھنے والے حافظ ابوعوانہ یعقوب بن اسحق بن ابراہیم بن زید النیسابوری متوفی ۳۱۶ھ رحمہ اللہ ہیں۔ صاحب کتاب نے کتاب کی ترتیب فقہی ابواب پر رکھی ہے۔ دوران استخراج مختلف اسانید سے شواہد ذکر کرتے ہیں۔

اس کتاب کا پہلا طبع کتب خانہ خدا بخش کی طرف سے شائع ہوا۔ تیسرا مکتبہ شاہ احسان اللہ سندھی کی طرف سے شائع ہوا۔ ہمارے ہاں عام طور پر پایا جانے والا نسخہ مطبع دائرۃ المعارف العثمانیہ کی طرف سے ۱۳۶۲ھ کو شائع ہوا۔

المسند المستخرج علي صحيح مسلم:

امام ابونعیم احمد بن عبداللہ متوفی ۴۳۰ھ کی اس مستخرج کو ان کے شاگرد ابوعلی حسن بن احمد الحداد نے امام ابونعیم سے روایت کیا ہے، جو کہ مخطوطے کی شکل میں دارالکتب المصریہ میں محفوظ ہے۔ امام صاحب دوران استخراج مختلف اسانید ذکر کرتے ہوئے 'ح'' کہہ کر تحویل سند کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ترجمۃ الکتاب والابواب اور احادیث پر نمبرنگ لگاتے ہیں، بعینہ امام مسلم کے ذکر نہیں کرتے بلکہ فرق ہوتا ہے۔ بسا اوقات صحیح مسلم سے ہٹ کر زائد طور پر کچھ الفاظ بھی بیان کرتے

ہیں۔سابقہ سے متعلق تبویب قائم کرتے وقت امام نووی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے فقط باب ٌ کہہ کر اشارہ کر دیتے ہیں۔

اس کتاب کا مقدمہ دکتور کمال عبدالعظیم العنانی اور تحقیق محمد حسن اسمٰعیل الشافعی نے تحریر کی ہے۔

۱۴۱۷ھ کو دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان نے شائع کیا۔

المستدرك علي الصحيحين

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری متوفی ۴۰۵ھ ؒ کی یہ کتاب مستدرک حاکم کے نام سے عوام الناس میں مشور ہے۔امام صاحب نے اس مجموعہ میں ان روایات کو جمع کیا ہے جو امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق تو تھیں لیکن انہوں نے ان روایات کو اپنی صحیح میں درج نہیں کیا۔

لیکن اس قدر اہتمام کے باوجود اس میں صحیح،حسن،ضعیف ہر طرح کی روایات موجود ہیں۔ بعد ازاں امام ذہبی نے بعض مقامات پر تعلیقات لگائی ہیں لیکن بعض تعلیقات بھی محل نظر ہیں۔اس کتاب کی تحقیق حمدی الامرداش محمد نے کی ہے۔

مکتبہ نزار مصطفیٰ مکہ مکرمہ الریاض نے جدید ایڈیشن شائع کیا ہے۔

نقد ودفاع

الالزامات:

اس کتاب کے مصنف امام ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی الدارقطنی متوفی ۳۸۵ھ ؒ ہیں۔

اس کتاب میں صاحب کتاب نے صحیح مسلم کی بعض روایات کو مع سند ذکر کرنے کے بعد دیگر اسناد بھی ذکر کی ہیں۔اور کہا ہے کہ اگر ان اسناد سے ذکر کرتے تو اچھا ہوتا،کم درجے والی اسناد کو امام مسلم نے کیوں لیا ہے۔اس کتاب کو امام دارقطنی کے استدراکات بھی کہا جاتا ہے۔

بعد ازاں دکتور مقبل بن ہادی ؒ نے اس کتاب کا دراسہ اور تحقیق کر کے مقالہ برائے M.A پیش کیا ہے۔

اس کتاب کے مختلف طبعات شائع ہو چکے ہیں بعض میں امام دارقطنی کی دوسری کتاب التتبع بھی ساتھ ہی مطبوع ہے بعض میں علیحدہ......

اس کتاب کو مکتبہ السّلفیہ مدینہ منورہ نے شائع کیا ہے۔

التتبع:

یہ کتاب بھی امام ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی ؒ کی ہے اس کتاب میں بھی امام صاحب نے صحیحین کی بعض روایات پر نقد کیا ہے۔ بسا اوقات باوجود وہم لگنے کے امام نووی اور حافظ ابن حجر رحمہا اللہ نے ان اعتراضات کو درست قرار دیا ہے۔

اس کتاب پر دراسہ اور تحقیق دکتور مقبل بن ہادی نے ہی کی ہے۔اور مکتبہ السّلفیہ مدینہ منورہ کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

ما هكذا توردیا سعد ن الابل:

دکتور حمزہ عبداللہ الملیباری کی یہ تصنیف شیخ ربیع بن ہادی کی کتاب بین الامامین امام مسلم والدارقطنی کی تردید میں ہے۔دراصل امام ربیع بن ہادی نے الالزامات والتتبع کا جواب تحریر کرتے ہوئے صحیح مسلم کی متکلم فیہ روایات میں امام دارقطنی کے اوہام کو ثابت کر کے دفاع کیا ہے،جب کہ حمزہ ملیباری نے امام دارقطنی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جا بجا شیخ ربیع بن ہادی کا ردّ کیا اور کہا کہ شیخ صاحب امام دارقطنی کی بات کو سمجھ نہیں پائے۔

اس کتاب کو ۱۴۲۵ھ میں مکتبہ دار ابن حزم للطباعة والنشر والتوزیع بیروت نے شائع کیا۔

تقييد المهمل وتمييز المشكل:

امام حسین بن محمد بن احمد ابوعلی الغسانی متوفی ۴۹۸ھ ؒ کی اس تالیف کا شمار ان دفاعی کتب میں ہوتا ہے جو صحیحین پر لکھی جانے والی تنقیدی کتب کے دفاع میں تالیف ہوئی ہیں۔

اس کتاب کا دراسہ علی بن محمد العمران اور محمد عزیز شمس نے کیا ہے مکتبہ دارعالم الفوائد للنشر والتوزیع المملکة العربیہ السعودیہ کی طرف سے ۱۴۲۱ھ کو طبع ہوئی۔

الجمع بین رجال الصحیحین بخاری ومسلم:

امام ابونصر احمد بن محمد بن حسین الکلاباذی اور ابوبکر احمد بن علی الاصبہانی رحمہما اللہ کی علیحدہ علیحدہ کتب کو حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی متوفی ۵۰۷ھ رحمہ اللہ نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اس کتاب میں صحیحین کے رواۃ پر ہونے والے کلام کا تسلی بخش جواب تحریر کر کے دفاع کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۳۲۳ھ کو اور دوسرا ۱۴۰۵ھ کو دار الکتب العلمیہ بیروت نے شائع کیا۔

بین الامامین امام مسلم والدار قطنی:

الشیخ ربیع بن ہادی حفظہ اللہ نے اس کتاب کو مقالہ برائے M.A کے پیش کیا تھا۔

اس کتاب میں بھی امام دارقطنی رحمہ اللہ کی طرف سے صحیح مسلم پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب اور دفاع ہے۔ دکتور صاحب امام دارقطنی کی بات درست ہونے کی صورت میں علی الراس والعین تسلیم کرتے ہیں اور ان کی بات محل نظر ہونے کی صورت میں بڑے مؤدبانہ انداز میں دفاع کرتے ہیں۔

اس کتاب کو مکتبۃ الرشد ریاض نے ۱۴۲۰ھ کو طبع کر کے شائع کیا۔

عبقریة الامام مسلم فی ترتیب احادیث مسنده الصحیح:

اس کتاب کے مصنف دکتور حمزہ عبداللہ ملیباری ہیں۔ اس سے پہلے ما ھکذا تورد یا سعد الابل لکھ کر بین الامامین امام مسلم والدارقطنی کی تردید کی تھی، اس کتاب عبقریۃ الامام مسلم میں صحیح مسلم کی احادیث کی ترتیب کے متعلق بیان ہے، بقول حمزہ ملیباری کے دکتور ربیع بن ہادی نے ان پر کچھ الزامات لگائے ہیں جن کے جواب میں یہ کتاب تصنیف ہوئی۔

یہ کتاب ۱۴۱۷ھ کو مکتبہ دار ابن حزم بیروت کی طرف سے طبع ہوئی۔

الدفاع عن الصحیحین دفاع عن الاسلام:

اس کتاب کے مؤلف العلامہ الفقیہ المحدث محمد بن حسن الحجوی الثعالبی الفاسی رحمہ اللہ ہیں۔ اس کتاب میں علامہ صاحب نے بخاری ومسلم کی سات روایات پر اہل مشرق کی طرف سے وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب تحریر کیا ہے، بعد میں اس کتاب کا دراسہ اور تحقیق دکتور محمد بن غروز نے کی ہے۔

دار ابن حزم بیروت نے ۱۴۲۴ھ کو شائع کیا۔

غنیة المحتاج فی ختم صحیح مسلم بن الحجاج:

امام محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی متوفی ۹۰۲ھ نے اپنی اس عظیم تالیف میں صحیحین اور سنن النسائی کے متعلق فوائد اور استنباطات کو جمع کیا ہے جن کو قاری پڑھنے کے بعد خلاصے کے طور پر اخذ کرتا ہے۔

مؤلف نے اپنی اس کتاب میں صحیح مسلم پر مخرج لکھی جانے والی کتب کا تذکرہ کیا ہے، اور ان فوائد کو بیان کیا ہے جن کی بناء پر صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے ممتاز کہا گیا ہے۔ آخر میں صحیح مسلم کی آخری روایت اپنی سند سے ذکر کی ہے۔

دکتور جمال فرحت صاولی نے تحقیق کا کام کیا ہے۔ دوبارہ تحقیق الشیخ الفاریابی نے کی ہے۔

اس کتاب کی پہلی طبع ۱۴۲۵ھ کو دار الکنوز اشبیلیا نے شائع کی ہے۔

مکانة الصحیحین والدفاع عن صحیح مسلم:

مکمل نام مکانة الصحیحین والدفاع عن صحیح مسلم ونقض قول ابن دحیه الکلبی ومن قلده فی تضعیف صیام الست من شوال ہے۔

جس کے مؤلف دکتور ابوعمر عبدالعزیز بن ندی بن عبدالرحمٰن العتیبی الاثری ہے، یہ رسالہ شیخ عدنان قادری کے فتویٰ کی تردید ہے جس میں انہوں نے شوال کے چھ روزوں کو شوال کے ساتھ خاص نہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

دوسرے نمبر پر صحیح مسلم کی روایت من صام رمضان ثم اتبعه ستا من شوال ...... الخ، کو ضعیف کہنے والوں کا ردّ کیا گیا ہے۔

اس کا پہلا ایڈیشن ۱۴۲۷ھ کو مکتبہ غراس للنشر والتوزیع کی طرف سے شائع ہوا ہے۔

الامام الترمذي والموازنة بين جامعه وبين الصحيحين:

علامہ نورالدین عتر نے اپنی اس تصنیف کو مقالہ برائے P.hd جامعۃ الازہر مصر کو پیش کیا۔

دکتور صاحب نے پہلے جامع الترمذی کا صحیحین سے موازنہ کیا اور پھر دونوں کتابوں سے علیحدہ علیحدہ موازنہ کیا ہے۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی پہلی کتاب ہے۔

مطبعة الجنة للتاليف والترجمه والنشر نے ۱۳۹۰ھ کو پہلی بار طبع کر کے شائع کیا۔

روايات المدلسين في صحيح مسلم:

الشیخ عواد حسین الخلف نے اس کتاب کی تصنیف کر کے یونیورسٹی آف کویت سے ایم۔اے کی سند حاصل کی۔ دکتور صاحب نے صحیح مسلم میں مدلس رواۃ کی قال، عن، ان جیسے صیغہ تمریض سے بیان کی جانے والی روایات کی دیگر اسناد ذکر کر کے انقطاع کو ختم کرنے کی سعی کی ہے، اور مدلسین کے طبقات کو بیان کرنے کے لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تالیف تعریف اہل تقدیس پر اعتماد کیا ہے۔ دو مقامات پر حافظ صاحب کی مخالفت بھی کی ہے۔ ان روایات میں سے ایک روایت "لا تذبحوا الا بمسنة" ہے۔ جس کو انقطاع یا مدلس کے صیغہ تمریض سے بیان کرنے کی وجہ سے علامہ ناصر الدین البانی نے ضعیف قرار دیا تو دکتور صاحب نے مسند ابی عوانہ سے سماع کی صراحت کر کے اس انقطاع کے شبہ کو دور کیا ہے۔

اس کتاب کو دار البشائر الاسلامیہ بیروت نے شائع کیا ہے۔

غرر الفوائد المجموعه في بيان ...... الخ:

کتاب کا مکمل نام غرر الفوائد المجموعه فی بیان ما وقع فی صحیح مسلم من الاحادیث ہے۔ جس کے مؤلف علی بن عبداللہ بن مفرج ۶۶۲ھ ہیں۔ اس کتاب کا شمار بھی ناقدین اہل علم کے ردّ میں لکھی جانے والی دفاعی کتب میں ہوتا ہے، اس کتاب میں ۷۰ روایات پر تنقید کا دفاع کیا ہے۔

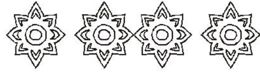
اس کا مقدمہ صلاح الامین نے تحریر کیا ہے۔

بعد ازاں محمد احمد بلال نے تحقیق برائے مقالہ M.A کی ہے۔

پہلا ایڈیشن ۱۴۲۱ھ کو مکتبہ الرشد للنشر والتوزیع المملكة العربيه السعوديه نے شائع کیا ہے۔

تحقيق وتخريج الوقوف على ما فى صحيح مسلم من الموقوف:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس مخطوطے کا سبب صحیح مسلم میں پائی جانے والی موقوف روایات کی تعداد کا اختلاف ہے۔ حافظ صاحب نے صحیح مسلم کی ۱۹۳ موقوف روایات کو جمع کیا ہے۔ بعد ازاں فضیلۃ الشیخ افتخار احمد الازہری نے ماجستیر کے مقالہ میں اس مخطوطہ کی تحقیق وتخریج کی ہے اور جامعۃ الازہر مصر سے ماجستیر کی ممتاز پوزیشن میں ڈگری حاصل کی۔



سالانہ جلسہ تقسیم اسناد

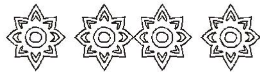
دارالحدیث اوکاڑا کا پچاسواں سالانہ جلسہ تقسیم اسناد مؤرخہ ۲۹ر نومبر ۲۰۱۰ء بروز سوموار بعد نماز عشاء منعقد ہو رہا ہے۔ (ان شاء اللہ)

مولانا قاری محمد حنیف ربانی، حضرت مولانا حافظ محمد یوسف پسروری ودیگر علمی شخصیات وعلمائے کرام تشریف لا رہے ہیں۔

تفصیلی اشتہار جلد شائع ہوگا، ان شاء اللہ۔

احباب ابھی سے تیاری شروع کر دیں۔

[عبداللہ یوسف، ناظم دارالحدیث ساہیوال روڈ۔ اوکاڑا]



تحقیق وتنقید

قسط نمبر ۲

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں تحقیقی مقالہ

از: مولانا فضل الرحمٰن بن محمد

شق نمبر۲: میں بریگیڈیئر صاحب نے ابن ہشام کے حوالے سے لکھا ہے۔ السابقون الاوّلون میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بیسواں ہے۔ جس سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم سے کم عمر چھ سات سال تصور کی جاسکتی ہے۔ گویا ان کی پیدائش قبل از نبوت ہی ہو چکی تھی۔ عسقلانی اور زرقانی نے بھی سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو السابقون الاوّلون (ایمان لانے میں سبقت لے جانے والوں) میں شمار کرتے ہیں۔

لاعلمی یا بددیانتی:

جس تحقیق کی بنیاد مفروضوں اور تصورات پر ہوگی۔ وہ حق و سچ کو پانے میں کیسے کامیاب ہوگی۔ کوئی لاکھ کہے کہ دن کا اجالا سورج کے بغیر ہوتا ہے یا رات کا اندھیرا روشن سورج کے ہوتے ہوئے ہوتا ہے تو جہلاء ہی اس کی تصدیق کریں گے۔ کوئی عقل منداس کے تصوراتی دلائل کو قبول نہیں کرے گا۔

بریگیڈیئر صاحب نے قسطلانی اور زرقانی کا حوالہ بغیر دیکھے پڑھے دے دیا۔ عربی زبان جاننے والے ہوتے تو کبھی یہ حوالہ نہ دیتے۔ کیوں کہ ان کی تصوراتی تحقیق کے خلاف ہے۔

المواہب اللدنیۃ ج:۱،ص:۲۴۶ میں ابن اسحاق کی روایت کا ذکر کرتے ہوئے قسطلانی کا کہنا وہ وہم ہے اور زرقانی نے ''وہم'' کا معنی غلط کیا ہے۔ قسطلانی کی وضاحت ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا تو بعد میں پیدا ہوئیں۔ وہ اسلام کی دولت سے کیسے مالا مال ہوسکتی تھیں۔ جبکہ چار سن نبوت میں ان کی پیدائش ہوئی۔ ایسا ہی مغلطائی وغیرہ نے کہا۔ زرقانی کا بیان ہے۔ اسی کی تائید ''العیون اور الاصابۃ'' میں کی گئی ہے۔ ابن اسحاق کا کہنا ہے وہ پانچ سن نبوت میں پیدا ہوئیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی الاصابۃ ج:۸،ص:۱۳۹ کے الفاظ ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے چار یا پانچ سال بعد پیدا ہوئیں اور الصحیح میں ثابت ہے۔ نبی ﷺ نے ان سے نکاح چھ یا سات سال کی عمر میں کیا یعنی چھ پورے کرکے ساتویں میں داخل ہوچکی تھیں اور ان سے خلوت اس وقت کی جب وہ نو سال کی تھیں۔

علامہ علی بن برہان الدین الحلبی (المتوفی ۱۰۴۴ھ) نے انسان العیون ج:۱،ص:۴۴۵ میں لکھا ہے۔ عورتوں میں سب سے پہلے خدیجہ، زوجہ عباس امّ الفضل، اسماء بنت ابی بکر اور امّ جمیل فاطمہ بنت الخطاب اخت عمر بن الخطاب ایمان لائیں۔ علامہ الحلبی نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں کیا۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے بھی اسی کو اپنایا ہے۔ لہٰذا حافظ ابن حجر عسقلانی، قسطلانی اور زرقانی نے جو کہا وہی درست ہے۔

شق نمبر۳: خولہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مضمون نگار نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سودہ اور عائشہ کے رشتوں کے سلسلہ میں مروی روایت کو نقل کیا ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچا تو حضرت ابوبکر دو وجوہات کی بنا پر متردّد تھے۔ ان کے خیال کے مطابق قرابت داری کے لحاظ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی بھتیجی تھیں اور ثانیاً ان کی نسبت جبیر بن مطعم بن عدی سے طے پاچکی تھی اور صرف رخصتی باقی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے وضاحت کردی کہ دینی بھائی کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ تو حضرت ابوبکر نے مطعم بن عدی سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے متعلق استفسار کیا۔ مطعم کی بیوی نے جواب دیا۔ چوں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہوچکی ہے۔ لہٰذا ہمیں خدشہ ہے کہ وہ ہمارے بیٹے کو ''لادین'' نہ بنا دے۔ مطعم نے بھی بیوی کی رائے پر صاد کیا تو یہ نسبت ٹوٹ گئی اور نبی ﷺ سے نسبت طے پاگئی۔ بریگیڈیئر صاحب کا کہنا ہے۔ اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش سے متعلق پانچ سال بعد نبوت کی مبینہ روایت

درست مان لی جائے تو اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر پانچ سال تھی۔
کیا حضرت ابوبکر اپنی پانچ سالہ بیٹی کی رخصتی پر اصرار کر رہے تھے۔
واضح رہے یہ واقعہ سن دس نبوت کا ہے۔

مضحکہ خیز سوال:

بریگیڈیئر صاحب کی نقل کردہ روایت میں ہرگز یہ ذکر نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مطعم بن عدی سے اپنی بیٹی کی رخصتی پر اصرار کر رہے تھے یا بیٹی کو رخصت کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ بات صرف نسبت کے بارے میں تھی۔ آیا مطعم اور اس کی بیوی اس کو قائم رکھنا چاہتے ہیں یا توڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ مطعم کے بیٹے سے نسبت ٹوٹ گئی تو سید الانبیاء سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا چھ سال کی عمر میں نکاح ہوگیا۔

جس انسان کے پاس عربی زبان کی سوجھ بوجھ نہ ہو اور دینی علوم کے حصول کی بجائے دنیاوی علم حاصل کر کے فوج میں اپنی عمر عزیز کا بہترین حصہ گزار چکا ہو۔ اس کے باوجود وہ اپنی تصوراتی تحقیق پر بھی نازاں ہو تو اس کے ذہن میں ضرور ایسے سوال ابھر سکتے ہیں۔ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ احادیث کو شک کی نگاہ سے دیکھنے والوں کی عموماً سوچ ایسی ہی ہوتی ہے۔ آج طاغوت طاقتوں کو ایسے ہی بزرگوں کی ضرورت ہے۔

شق نمبر ٤: بریگیڈیئر نے دوسرا سوال یہ اٹھایا۔ کیا نکاح ثانی سے رسول اللہ ﷺ اپنی دلجوئی اور رفاقت چاہتے تھے یا وہ اس روایت کی رو سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دس سال چھوٹی بچی سے نکاح کر کے اپنی ذمہ داریوں میں اضافہ کرنا چاہتے تھے۔

استہزاء کی انتہاء:

یہ سوال کسی غیر مسلم کا نہیں بلکہ ایک معزز شخص کی طرف سے ہے جو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا اور کہتا ہے۔ اس نے یہ مضمون اپنی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں لکھا ہے۔ یہ سوال ان تمام حضرات سے پوچھا گیا ہے۔ جو قرآن وسنت پر ایمان رکھتے ہیں اور ائمہ حدیث کی دل وجان سے عزت کرتے ہیں۔ یہ سوال ایک ریٹائرڈ بریگیڈیئر کی قلم سے پاکستان میں رقم ہوا ہے۔ جب ہندوستان میں آریہ سماج کی طرف سے رنگیلا رسول کے عنوان سے ہیجان انگیز کتاب ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ تو اس میں ایسے ہی بیہودہ اعتراضات کیے گئے تھے۔ اس کا بہترین جواب علم الدین غازی نے دیا تھا۔ اگرچہ اس کا خوب صورت علمی جواب لکھنے کی مولانا ثناء اللہ امرتسری کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی۔ انہوں نے اس جوابی کتاب کا نام ''مقدس رسول ﷺ'' رکھا تھا۔ اس وقت کے مشہور ومعروف علمائے کرام نے مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کی تحریری تائید کی۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ مولانا بشیر احمد عثمانی۔ ۲۔ مولانا سراج احمد۔ ۳۔ مولانا حبیب الرحمٰن (از دیوبند)۔ ۴۔ مولانا مرتضیٰ حسن۔ ۵۔ مولانا اعزاز علی۔ ۶۔ حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی۔ ۷۔ مولانا عبدالباری لکھنوی۔ ۸۔ مولانا حافظ ابراہیم میر سیالکوٹی۔ ۹۔ مولانا محمد مبارک حسین از میرٹھ۔ ۱۰۔ مولانا محمد ابوالقاسم سیف محمد بنارسی۔ ۱۱۔ مولانا عبدالماجد قادری بدایونی ۱۲۔ مولانا محمد کفایت اللہ جمعیت العلماء دہلی۔ ۱۳۔ مولانا عبدالشکور۔ ۱۴۔ مولانا حافظ احمد سعید دہلی ۱۵۔ مولانا عبدالحلیم صدیقی۔ ۱۶۔ مولانا عبدالقیوم حیدر آباد اور ۱۷۔ مولانا محمد عثمان سکندر آباد۔ اللہ تعالیٰ سب پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے۔

روزنامہ زمیندار لاہور۔ روزنامہ سیاست لاہور۔ سلطان الاخبار بمبئی۔ مسلم راجپوت امرتسر۔ عالمگیر امرتسر۔ وطن لاہور۔ المسلم بنگلور اور حامی آریہ دھرم پرکاش نے بھی تعریفی کالم لکھے۔

جہاں تک ہمارے جواب کا تعلق وہ بڑا سیدھا سا ہے کہ وہ عائشہ کے باپ کی مرضی سے طے پانے والا نکاح تھا۔ جو مردوں میں سے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کرنے، اسلام اور اہل اسلام کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والے ابوبکر الصدیق تھے۔ اور آپ کے درمیان جو دینی تعلق تھا اس کو مزید مضبوط کرنے کا ایک سبب اور ذریعہ تھا۔ باہمی رضامندی سے جو رشتہ طے پایا۔ اس پر آج کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اعتراض کرنے والوں کو غیروں کی بجائے اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے۔

شق نمبر ۵: میں بریگیڈیئر نے لکھا ہے۔ جزیرۃ العرب میں کم سنی میں لڑکیوں کی شادی کا رواج ہرگز نہ تھا۔ شادی کی اوسط عمر ۱۵ سال سے ۲۵ سال تھی۔ خود نبی ﷺ کی بیٹیاں فاطمہ الزہراء ۲۱ سال کی عمر میں اور

امّ کلثوم ۱۸ سال کی عمر میں بیاہی گئیں۔ بی بی زینب بنت جحش کی شادی زید بن حارثہ سے ۳۴ سال کی عمر میں ہوئی۔

[تهذيب التهذيب، جلد دوم، ص: ٤٧]

دھوکا ومغالطہ:

جزیرۃ العرب میں کم سنی میں لڑکیوں کی شادی کا رواج نہ تھا۔ اس کا علم بریگیڈیئر کو کیسے ہوا۔ کیا وہ اس وقت وہاں موجود تھے۔ بغیر دلیل کے یہ دعویٰ ہرگز مناسب نہ تھا۔ اوپر سے انہوں نے تہذیب التہذیب کا جو حوالہ دیا ہے۔ وہ سراسر دھوکا اور جھوٹ ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی کی ۱۲ جلدوں میں اسماء الرجال کی کتاب ہے۔ جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے ناموں کا ذکر ہوا ہے۔ امّ کلثوم ؓ کا ذکر اس میں موجود نہیں۔ زینب بنت جحش کا ذکر ہوا لیکن عمر کے بارے میں کوئی روایت مذکور نہیں۔ فاطمہ ؓ کی عمر پندرہ سال اور ساڑھے پانچ ماہ منقول ہے۔ جب کہ بریگیڈیئر صاحب نے تہذیب التہذیب کے حوالے سے ۲۱ سال بیان کی ہے۔ تیسری جلد میں زید بن حارثہ کا ترجمہ تو موجود ہے لیکن زینب بنت جحش کی عمر کا ذکر نہیں ہوا۔

اپنے دعویٰ پر جو دلیل قائم کی وہ جھوٹی نکلی۔ پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ احادیث پر اعتراض کرنے والے کے ہاں غلط بیانی اور حوالے میں ہیر پھیر معیوب نہیں سمجھا جاتا۔

کم سنی میں شادی کا حوالہ:

جامع الترمذی، کتاب النکاح، ج:۲،ص:۱۶۵ میں عائشہ ؓ کا قول ہے۔ جب لڑکی نو سال کی ہو جائے تو وہ پوری عورت ہوتی ہے۔

طبقات ابن سعد ج:۸،ص:۴۶۳ میں مروی ہے۔ عمر فاروق ؓ نے امّ کلثوم ؓ بنت علی ؓ سے جب شادی کی تو وہ ایک نابالغہ لڑکی تھیں۔ طبقات کی دوسری روایت کے مطابق عمر فاروق ؓ نے چالیس ہزار درہم مہر ادا کیا۔ طبقات کی تیسری روایت ہے۔ علی ؓ اور فاطمہ ؓ کی بیٹی امّ کلثوم ؓ کے لیے عمر فاروق ؓ نے شادی کا پیغام دیا۔ تو علی ؓ نے کہا۔ وہ چھوٹی عمر کی لڑکی ہے۔ یعنی صَبِيَّة ہے۔ جب کہ الاستیعاب ج:۲،ص:۷۷۲ عدد الاسماء ۴۳ میں صغیرہ کا لفظ منقول ہے۔ دونوں کتابوں کی روایت کے مطابق علی ؓ نے اپنی بیٹی کو ایک چادر دے کر کہا۔ امیر المومنین کے پاس جاؤ اور کہو میرے باپ نے مجھے بھیجا ہے۔ وہ آپ کو سلام کہتے ہیں اور ان کا کہنا ہے۔ اگر آپ کو یہ چادر پسند آ جائے تو اس کو روک لیں۔ اگر پسند نہ آئے تو اس کو واپس کر دیں۔

طبقات کے الفاظ ہیں۔ جب امّ کلثوم ؓ عمر فاروق ؓ کے پاس آئیں اور پیغام دیا۔ تو انہوں نے کہا۔ اللہ کی برکتیں ہوں تم پر اور تمہارے باپ پر۔ ہم راضی ہو گئے۔ امّ کلثوم ؓ نے واپس آ کر باپ کو بتایا۔ انہوں نے چادر کو نہ پھیلایا بلکہ انہوں نے مجھے دیکھا۔ علی ؓ نے امّ کلثوم ؓ کی شادی عمر ؓ سے کر دی اور انہوں نے امیر المومنین کے لیے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ جس کو زید کہا جاتا تھا۔

الاستیعاب کے الفاظ ہیں۔ علی ؓ کا پیغام تھا۔ میں اس کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ کو پسند آ جائے تو میں نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا۔ بیٹی نے باپ کا پیغام جب عمر فاروق ؓ کو پہنچایا تو انہوں نے امّ کلثوم ؓ سے کہا۔ اپنے باپ سے کہنا۔ میں راضی ہو گیا یعنی مجھے لڑکی پسند آ گئی اور انہوں نے اس کی پنڈلی پر ہاتھ رکھا۔

امّ کلثوم ؓ نے کہا۔ آپ ایسا کر رہے ہیں۔ اگر آپ امیر المومنین نہ ہوتے تو میں آپ کی ناک توڑ دیتی۔ واپس آ کر باپ سے کہا۔ آپ نے برے شیخ کے پاس مجھے بھیجا۔ علی ؓ نے بیٹی سے کہا۔ پیاری بیٹی! وہ تمہارے شوہر ہیں۔

اگر عربوں میں کم سنی کی شادی کا رواج نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ عائشہ ؓ سے اور عمر فاروق ؓ امّ کلثوم ؓ سے شادی نہ کرتے۔ ابوبکر الصدیق ؓ اور علی ؓ جیسی عظیم شخصیتیں اس پر آمادہ نہ ہوتیں۔ نہ ہی اس میں کوئی شک ہے کہ بریگیڈیئر صاحب سے وہ یقیناً زیادہ سمجھ دار تھے اور بریگیڈیئر صاحب کو یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ کسی کی اردو تحقیق کو نقل کر کے اپنا نام چسپاں کر دینا علمی حلقوں میں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔

شق نمبر ٦: میں بریگیڈیئر صاحب نے لکھا ہے۔ چوں کہ ابوبکر ؓ نے زمانہ جاہلیت میں قتیلہ بنت عبدالعزی سے شادی کی تھی۔ جن کے بطن سے عبداللہ اور اسماء پیدا ہوئے اور قبل از اسلام کے زمانے میں ہی امّ رومان بنت عامر سے شادی کی۔ جن کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰن اور سیدہ عائشہ کی ولادت ہوئی۔ گویا سیدہ عائشہ ؓ قبل

از نبوت پیدا ہوچکی تھیں۔[ابو بکر کی ازواج: تاریخ طبری]
لہٰذا پانچ سال بعد بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش کی روایت قطعاً غیر معتبر ہے۔

محقق کی کم فہمی:

بریگیڈیئر صاحب نے کسی استاد سے تھوڑی سی عربی پڑھ لی ہوتی تو جو کچھ انہوں نے شق چھ میں فرمایا ہے، وہ کبھی نہ فرماتے۔ تاریخ طبری عربی ج:۲،ص:۵۰ میں ''ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی بیویوں کے ذکر'' کے تحت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی چار بیویوں اوران سے پیدا ہونے والی اولاد کا ذکر ہوا ہے۔ جن میں سے قتیلہ رضی اللہ عنہا اور امّ رومان رضی اللہ عنہا سے زمانہ جاہلیت میں شادی ہوئی اور اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس اور حبیبہؓ سے زمانہ اسلام میں انہوں نے نکاح کیے۔ پہلی دو کے بارے میں عربی عبارت ہے:

"فکل هولاء الاربعة من اولاده ولدوا من زوجتيه اللتين سمّيناها فی الجاهلية."

''پس یہ چاروں بچے ان بیویوں سے پیدا ہوئے جن کے نام زمانہ جاہلیت کے حوالے سے ہم لائے ہیں۔''

اس عبارت میں ایسی کوئی صراحت نہیں کہ چاروں زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئے۔ یہاں دو ان بیویوں کی بات ہوئی ہے جن سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں شادی کی تھی۔

اصل میں جس کتاب سے بریگیڈیئر صاحب نے عبارت نقل کی ہے۔اس کے مصنف نے تو واضح طور پر لکھ دیا کہ چاروں بچے زمانہ جاہلیت میں مذکورہ بالا دونوں خواتین سے تولد ہوئے تھے۔ بریگیڈیئر صاحب نے تو ''گویا'' کالفظ استعمال کر کے نتیجہ نکالا ہے۔لیکن اس مصنف نے بغیر کسی تکلف لکھ دیا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا طلوع اسلام سے پہلے پیدا ہوئیں۔ ادارہ طلوع اسلام سے تعلق رکھنے والوں کا ایسا ہی طریق کار رہا ہے۔

شق ۲ کے جواب میں حافظ ابن حجر عسقلانی، قسطلانی اور زرقانی کے حوالے سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ اسلام میں پیدا ہونے کی وضاحت وصراحت کا ذکر ہو چکا ہے۔ عربی کتابوں کے حوالے سے تحقیق عربی زبان جانے بغیر ممکن نہیں ہے۔تصوراتی تحقیق کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

شق ۱۱ میں بریگیڈیئر صاحب نے خود لکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ہجرت کے پہلے سال مدینہ میں پیدا ہوئے۔ تو مہاجرین اور انصار نے مشترکہ طور پر پہلی خوشی منائی۔ ان کے ہاں دوسرے بیٹے عروۃ کی پیدائش تقریباً بیس برس بعد ہوئی۔

جب عبداللہ بن زبیر اور عروہ بن زبیر کے درمیان بیس سال کا فرق ہوسکتا ہے تو عبدالرحمٰن اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ایسا فرق کیوں نہیں ہوسکتا۔ غیر ضروری حوالوں کے دینے کی بجائے کیوں نہ ایک ہی حوالہ کسی معتبر حدیث یا تاریخ کا دے دیا کہ جس سے ثابت ہو جاتا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر شادی کے وقت ۹ سال نہیں تھی۔ زیادہ گفتگو یا طویل تحریر سے جھوٹ سچ نہیں بن جاتا۔

شق ۷ کا جواب بھی وہی ہے جو شق ۲ کے جواب میں دے دیا گیا ہے۔ یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش چار و پانچ سال نبوت میں ہوئی۔ لہٰذا تصوراتی حساب درست نہیں۔

شق ۸ میں بریگیڈیئر صاحب کا دعویٰ ہے۔ بعض روایتوں کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جنگ بدر میں بھی شرکت فرمائی۔ جب کہ پندرہ سال سے کم عمر کسی فرد کو حضور نے جنگ کی اجازت نہیں دی تھی۔ لہٰذا ان کی عمر پندرہ سال سے زائد تھی۔ حضرت عمر نے بدری صحابہ ﷺ کے لیے خصوصی وظیفہ مقرر کیا تو سیدہ کو بھی دیگر اصحاب سے زائد وظیفہ ملتا رہا۔

مزید کم علمی:

اس مذکورہ عبارت میں بھی تحقیق کا کوئی پہلو نہیں بلکہ ایک اردو کتاب کی عبارت ہے۔ اگر بریگیڈیئر صاحب نے تحقیق کی ہوتی تو ان کو معلوم ہوتا کہ جنگ بدر میں نہیں بلکہ جنگ احد میں ام سُلیم کے ساتھ مل کر انہوں نے زخمیوں کو پانی پلانے میں حصہ لیا تھا۔

[بخاری، کتاب الجهاد، غزوة النساء، ص: ۴۰۳]

جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کے نام سیرت ابن ہشام میں منقول ہیں۔ اس میں کوئی بھی عورت شریک نہ تھی۔ کیوں کہ وہ قریش کے تجارتی قافلے کو روکنے کا ایک پروگرام تھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کی صورت دیتے ہوئے اہل اسلام کو زبردست کامیابی سے نوازا تھا۔

رحمۃ للعالمین ج:۱ ''باب فاطمہ زہرا اور عائشہ طیبہ کی خدمات میدانِ جنگ میں'' میں بھی بریگیڈیئر صاحب کو یہی بات ملے گی کہ عائشہ نے

پانی پلانے کی خدمت جنگ احد میں کی تھی۔ اور ان کو ملنے والا وظیفہ بدری ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ امّ المومنین ہونے کی حیثیت میں ملتا تھا۔ جیسا کہ دیگر امہات المومنین کے لیے مقرر تھا۔

شق ۹ اور ۱۰ میں بریگیڈیئر حامد سعید اختر صاحب نے شق نمبر ۲ والی بات کا پھر ذکر فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام السابقون الاوّلون میں منقول ہے۔ سیرت ابن ہشام میں صغیرہ کے ساتھ جو عائشہ کا نام مذکور ہے۔ اس کا ردّ حافظ ابن حجر، قسطلانی اور زرقانی نے کر دیا تھا اور امام سہیلی کی ''الروض الانف'' میں ان کا ذکر ہی مفقود ہے۔ پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ ایسے محققین کے نزدیک حوالے میں ہیرا پھیری معیوب نہیں ہوتی اور ایسا ہی اس گمراہ کن مضمون میں ہوا ہے۔

شق ۱۱ اور ۱۲ میں بریگیڈیئر صاحب نے ولی الدین خطیب تبریزی کی کتاب "الاکمال فی اسماء الرجال" کے حوالے سے لکھا ہے۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا اپنی علاتی بہن عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔ انہوں نے ایک سو سال عمر پائی اور ۷۳ ہجری میں فوت ہوئیں۔ ان کی شادی حضرت زبیر سے ۲۶ سال کی عمر میں ہوئی اور ۲۷ سال کی عمر میں ان کے ہاں عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے۔ جس پر مہاجرین اور انصار نے مشترکہ خوشی منائی۔ اس سے بریگیڈیئر صاحب نے نتیجہ نکالا ہے۔ چوں کہ ہجرت کے وقت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۷ سال تھی۔ لہٰذا عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۷ سال ہجرت کے وقت اور شادی کے وقت ۱۹ سال طے پاتی ہے۔

ادھوری تحقیق:

بریگیڈیئر صاحب کی تحقیق کا دائرہ صرف اردو اور انگریزی کی چند کتابوں تک محدود ہے۔ لہٰذا اسی ادھوری تحقیق کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اپنی تحقیق میں نہ صرف خود ٹھوکر کھائی ہے۔ بلکہ جو لوگ ان کی تحقیق کی وجہ سے گمراہ ہوں گے ان کا وبال بھی ان پر ہوگا۔

سورۃ آلِ عمران کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ سے ارشاد فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾

''وہی ہے جس نے آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی۔ جس میں محکم آیات ہیں جو کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہات ہیں۔ پس جن کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہوتا ہے وہ فتنہ وتاویل کی تلاش میں ان آیات کے پیچھے لگ جاتے ہیں جو متشابہات ہوتی ہیں۔ حالاں کہ تاویل صرف اللہ جانتا ہے۔ اور جو علم میں راسخ ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ جو کچھ اللہ کی طرف سے ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔'' [آلِ عمران : ۷]

کیسی عجیب بات ہے کہ جو کچھ تمام احادیث اور تاریخ ورجال کی کتابوں میں بغیر کسی اختلاف کے ثابت ومسلّمہ ہے۔ اس کا ردّ کرنے میں بریگیڈیئر صاحب جیسے لوگ پھر متحرک ہو گئے ہیں۔ خطیب تبریزی کی الاکمال کا ایک حوالہ دیا مگر دوسرا نہیں دیکھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں منقول ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ہجرت سے تین سال پہلے دس سن نبوت میں نکاح کیا اور ہجرت کے دوسرے سال میں ان سے خلوت کی جب کہ ان کی عمر نو سال تھی اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔

اسماء بنت ابی بکر کے خاوند حضرت زبیر بن عوام کے بارے میں روایت ہے۔ جب وہ مسلمان ہوئے تو ان کی عمر ۱۲ سال۔ دوسری روایت کے مطابق ۱۵ سال اور تیسری کے مطابق ۱۶ سال اور چوتھی کے مطابق ۱۸ سال تھی۔ خطیب کی الاکمال میں آٹھ سال مروی ہے۔

الاصابۃ، ج:۲،ص:۵ میں ۸ سال اور ۱۲ سال مروی ہے۔

طبقات ابن سعد، ج:۳،ص:۱۰۲ میں ۱۶ سال بیان ہوئی ہے۔

الاستیعاب، ج:۱،ص:۲۰۱ میں ۱۵ سال اور ۱۲ سال منقول ہے۔

کسی کتاب میں یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کی شادی اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا

سے کس عمر میں ہوئی ایسے ہی رجال کی تمام کتابوں میں سے کسی کتاب میں یہ نشان دہی نہیں کی گئی کہ اسماء ؓ کی شادی ان کی ۲۶ سال کی عمر میں ہوئی۔ مگر بریگیڈیئر صاحب نے فوجی حکم کے تحت کرادی۔

اسماء بنت ابی بکر کی عمر ۲۷ سال والا حوالہ اگرچہ بریگیڈیئر صاحب نے نہیں دیا۔ لیکن وہ ابن الاثیر کی اسد الغابۃ ج:۷، ص:۹ کا ہے۔ جب کہ ابن الاثیر نے اسی جلد کے ص: ۱۸۹ میں لکھا ہے۔ نکاح کے وقت عائشہ ؓ کی عمر ۷/۶ سال اور خلوت کے وقت ۹ سال تھی۔

ابن الاثیر نے اپنی تاریخ الکامل ج:۲، ص:۲۰۹، ۲۱۰ میں بھی ایسے ہی نقل کیا ہے۔ لہٰذا طاغوت کو خوش اور راضی کرنے کے لیے اپنے اسلاف کو جھٹلانا کسی بھی صورت میں مناسب نہیں ہوگا۔

شق ۱۳ میں بریگیڈیئر صاحب نے بخاری کتاب التفسیر کے حوالے سے عائشہ ؓ سے نقل کیا ہے کہ جب سورۃ القمر کی یہ آیت:

﴿ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴾

''بلکہ قیامت کا ان سے وعدہ ہے اور قیامت بڑی سخت وتلخ ہوگی۔''[القمر: ٤٦]

مکہ میں نازل ہوئی تو اس وقت میں ایک کھیلتی پھرتی لڑکی تھی۔

ان کا کہنا ہے۔ سورۃ القمر ۵/۴ سن نبوت میں نازل ہوئی۔ اگر سیدہ عائشہ ؓ کی عمر اتنی تھی کہ انہیں سورۃ القمر کی ایک آیت یاد ہوگئی تو ان کی پیدائش نبوت کے پانچ سال میں کیسے درست قرار پاسکتی ہے۔ جب کہ ہشام بن عروۃ متعدد روایات سے یہی غلط نتیجہ اخذ کرتا دکھائی دیتا ہے۔

غلط استدلال:

احادیث کو تسلیم نہ کرنے والوں کی اصل کمزوری یہ ہے کہ بات تو صحابہ اور ان کے زمانے کی کرتے ہیں۔ لیکن قیاس اپنے آپ اور اپنے حالات سے کرتے ہیں۔ سیدھی سی بات کو غلط مفروضوں کے ذریعہ الجھا دیتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔

صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب تالیف القرآن میں عائشہ ؓ سے قرآنی سورتوں اور آیات کی ترتیب وتالیف کے بارے میں جب سوال ہوا تو اس کے جواب میں انہوں نے نہ صرف وضاحت کی بلکہ سورۃ القمر کی آیت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔ جب وہ نازل ہوئی تو اس وقت میں کھیلا کرتی تھی۔ ظاہر ہے کہ سوال ان سے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ہوا اور اس وقت وہ ایک انتہائی معلومات رکھنے والی معلّمہ کی صورت اختیار کرگئی تھیں۔ صحابہ ؓ وصحابیات ؓ دینی مسائل میں ان سے راہنمائی لینے کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے۔

چناں چہ امام قسطلانی نے ارشاد الساری [ج:۶، ص:۱۴۱] میں ''باب فضل عائشہ'' میں لکھا ہے۔ وہ ہجرت سے تقریباً آٹھ سال پہلے زمانہ اسلام میں پیدا ہوئیں اور جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت ان کی عمر تقریباً اٹھارہ سال تھی۔

انہوں نے آپ سے بہت کچھ حفظ کیا۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ احکام شرعیہ کا چوتھائی حصہ انہی سے منقول ہے۔

عطاء بن رباح کا بیان ہے۔ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ فقہ وعلم اور بہترین رائے والی تھیں۔ ایسا ہی ملتا جلتا قول علامہ عینی کی عمدۃ القاری ج:۱۶، ص:۲۵۰ میں منقول ہے۔

رہی بات چار پانچ سال کی بچی کے قرآنی آیات میں سے ایک آیت کو یاد کرلینا۔ تو اس میں بھی حیرت وپریشانی والی کوئی بات نہیں۔ آج بھی کسی دین دار گھرانے کے بچوں سے نماز اور دعائیں سنیں تو وہ سنا دیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ بڑے لوگوں کے بچوں کی بجائے ان کے بڑوں کو دعائے قنوت یا دعائے جنازہ سنانے کو کہیں تو وہ نہیں سنا سکیں گے۔ الا ماشاءاللہ

جہاں تک واقعہ شق القمر کا تعلق ہے تو امام بخاری نے تو یہی لکھا ہے کہ یہ نبی ﷺ کے اس زمانے میں ہوا جب آپ مکہ میں ہجرت سے پہلے تھے۔ لیکن حافظ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایہ ج:۳، ص:۱۱۸ میں واقعہ معراج کے بعد ذکر کیا ہے۔ شاید اسی سے اخذ کرتے ہوئے رحمۃ للعالمین کے مصنف قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی تیسری جلد میں اس عظیم معجزہ کا ذکر کرتے ہوئے حاشیہ میں لکھا ہے۔ یہ واقعہ شق قمر ۹ نبوت کا ہے۔

لہٰذا عائشہ ؓ کی عمر کے بارے میں محدثین ومؤرخین نے جو فیصلہ دیا ہے۔ وہی درست ہے۔ [جاری ہے]

احکام و مسائل

مخنث (ہیجڑوں) کے احکام

اور جو مرد و عورت ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کریں

تحریر: امان اللہ عاصم (جامعہ عمر بن الخطاب جھبراں، شیخوپورہ)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور جنات کے بعد انسان پیدا فرمائے۔ اور اپنے قانون: ہر جنس کا جوڑا بنانے، کے مطابق انسانوں میں مرد اور عورت پیدا فرمائے جن سے نسل انسانی کی بقاء اور اس کا ارتقاء ہے۔ مرد اور عورت کی بناوٹ، خدوخال، ظاہری محاسن حتیٰ کہ اندازِ تکلم اور چال چلن میں اللہ تعالیٰ نے خاص امتیازات رکھے ہیں۔ بہت سے اوصاف ایسے ہیں جو مرد میں ہیں لیکن عورت میں نہیں یا عورت میں ہیں لیکن مرد میں نہیں۔ ان دونوں کے ملاپ سے نسل انسانی کے بڑھوتری اور اضافہ کا سلسلہ بنایا گیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ مرد اور عورت کو ایک دوسرے سے معاملات، لین دین، معاشرت اور تعلقات میں بہت سی حدود و قیود کا پابند بنایا ہے۔

نسل انسانی میں ایک صنف ایسی بھی ہے جو مکمل طور پر نہ تو عورتوں والے اوصاف رکھتی ہے اور نہ مکمل طور پر مردوں والے اوصاف سے متصف ہے۔ اسے مخنث یا ہیجڑا کہتے ہیں۔ اللہ کی قدرت ہے کہ وہ ایسی مخلوق پیدا فرماتا ہے۔ اس مخلوق کے لیے بھی شرعی رہنمائی اور احکام اسی طرح ہیں جس طرح ایک مرد اور عورت پر لاگو ہیں۔ ایسی مخلوق کے لیے وہ احکام جو مرد اور عورتوں میں مختلف ہیں ان کے میلانِ تخلیق کے حساب سے لاگو ہوتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی مخنث اپنی تخلیق اور ہیئت میں عورتوں کی تخلیق کی طرف میلان رکھے تو اس کے لیے عورتوں والے احکام اور عورتوں والے حقوق ہوں گے۔ اسی طرح معاملہ اس مخنث کا ہے جو تخلیقی اعتبار سے مردوں کی طرف زیادہ مائل ہو۔

مخنث میں بہت سی ایسی خواہشات جو مردوں اور عورتوں میں ہوتی ہیں، بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اس لیے اگر وہ اپنا تعلق اللہ کی یاد اور نیک اعمال سے جوڑے تو اسے مرد اور عورت کی نسبت زیادہ کامیابی، اور استغراق حاصل ہوسکتا ہے۔ لیکن الا ماشاء اللہ ہی ایسے ہیجڑے ہیں جو اس بات کو اپنے تائیں سنجیدہ انداز میں لیتے ہیں۔ ایسی چند مثالیں ہمارے مشاہدے میں ہیں۔ البتہ مادیت اور بے جا نفس پرستی کے اس جدید جاہلیت کے دور میں ایسا بہت کم ہے کہ ہیجڑا برائیوں سے دور رہ کر زندگی گزارے۔ دراصل اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ مخنث مردوں اور عورتوں ہر دو کی محفل میں جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے شیطان کے بہکاوے میں مردوں کی نسبت جلد آجاتے اور فحش حرکات کا ارتکاب عمداً یا سہواً کر جاتے ہیں۔

چوں کہ عموماً عورتیں ان سے پردہ کرنے کا اہتمام کم ہی کرتی ہیں اس لیے یہ عورتوں کے محاسن پہ ٹکٹکی لگائے رہتے ہیں۔ اور پھر وقتاً فوقتاً مردوں کے سامنے ان کے اوصاف اور محاسن بیان کرتے ہیں جس کی وجہ سے بے حیائی کا رستہ کھلتا ہے۔ اور ایسے کام میں ہیجڑے عموماً بے باک ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ کے نبی ﷺ نے عورتوں کو انہیں اپنے پاس زیادہ آنے جانے سے منع کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ گھروں میں ان کی عموماً آمدورفت فساد ہی پیدا کرتی ہے۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ایک روز نبی اکرم ﷺ جب میرے گھر تشریف لائے تو اس وقت ہمارے پاس ایک مخنث (ہیجڑا) موجود تھا جو (میرے بھائی) عبداللہ سے کہہ رہا تھا: اگر طائف فتح ہوگیا تو تم غیلان کی بیٹی کو ضرور دیکھنا۔ (حاملہ ہونے کی وجہ سے) سامنے سے آئے تو اس کا جسم چار بل کھاتا ہے اور اگر پیچھے سے دیکھو تو آٹھ بل کھاتا ہے۔ (نبی اکرم ﷺ کو یہ بات انتہائی ناگوار گزری اور) آپ ﷺ

نے فرمایا: یہ (آج کے بعد) کبھی تمھارے پاس نہ آئیں۔[صحیح البخاری، حدیث: ٤٣٢٤۔ صحیح مسلم، حدیث: ٢١٨٠]

یہ تو بات تھی اس مخنث کی جو تخلیقاً (پیدائشی) مخنث ہے۔ ایک المیہ یہ بھی ہے کہ بعض مرد عورتوں کی سی عادات اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بعض عورتیں مردوں کی سی وضع قطع اختیار کرتی ہیں۔ ایسا کرنے والے پیدائشی مخنث سے بھی زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتے ہیں۔ وہ ایسا اپنی جنسی خواہشات کو بڑھانے کے لیے کرتے ہیں۔ مرد عورتوں جیسی عادات اور لباس کو معمول بناتے ہیں اور عورتیں مردوں جیسا لباس پہنتی اور بے حجاب پھرتی ہیں۔ ایسے مرد عورتوں سے اور عورتیں مردوں سے کھلم کھلا فحش ملاپ رکھتے ہیں۔ اور ان میں بے حیائی اور بدکاری کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسا کرنے والوں پر لعنت کرتے ہیں۔

[المعجم الکبیر للطبرانی: ١١/٥٢٥، حدیث: ١١٦٤٧]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔[صحیح البخاری: کتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء..، حدیث: ٥٨٨٥۔ سنن أبي داؤد: کتاب اللباس، باب لباس النساء، حدیث: ٤٠٩٧]

ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مخنث (عورتوں سی عادات والے مردوں) اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی اور مزید فرمایا: انہیں گھروں سے نکال دو۔[صحیح البخاری: کتاب اللباس، باب اخراج المتشبهين بالنساء من البیوت، حدیث: ٥٨٨٦]

اس فرمان نبوی کے بعد صحابہ نے بہت سے ہیجڑوں کو گھروں سے نکالا۔ اور اس حدیث میں جن عورتوں پر نبی اکرم ﷺ نے لعنت کی ہے ان کے لیے لفظ ''مترجلات'' بیان ہوا ہے۔ جس کا معنی مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتیں ہیں۔[وضاحت کے لیے دیکھیے: فتح الباری لابن حجر: ١٠/٣٣٤]

یادِ رفتگاں

مولانا عبدالرحمٰن عزیز کا انتقال

حکیم محمد یحییٰ عزیز ڈاھروی

مولانا عبدالرحمٰن عزیز الہ آبادی رئیس ادارہ امر بالمعروف حسین خاں چک نمبر۸ ضلع قصور کا تعلق مسلک اہل حدیث کے نامور علماء، دانشور صاحب قلم وقرطاس اور محققین کی جماعت سے تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کو قرآن وحدیث کی تعلیمات کو فروغ دینے میں، باطل نظریات کے رد، شرک وبدعات کی سرکوبی اور اصلاح معاشرہ کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ میرا ایک خاص دلی لگاؤ ان سے تھا۔ وہ مزاجاً انتہائی سادہ، وضع دار، منکسر المزاج، مہمان نواز، بااخلاق، اصلاح وتقویٰ میں منفرد، علم وعمل میں یکساں، ہر چھوٹے بڑے سے انتہائی شفقت اور توجہ سے ملنا ان کے شخصی اوصاف میں تھا۔

جن لوگوں کو مولانا رحمہ اللہ سے واسطہ رہا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دن ہو یا رات گرمی ہو یا سردی نامساعد حالات ہوں یا موافق ہر حال میں مرحوم کسی نہ کسی دینی، تبلیغی اور علمی امر میں مشغول رہتے تھے۔ مولانا مرحوم نے جس طرح جوانی میں قرآن وحدیث کی اشاعت کا آغاز کیا تھا تادم آخر ان میں جذبہ وجنون اسی طرح موجود رہا۔ مرحوم تقریر وخطابت میں منفرد اور خاص انداز رکھتے تھے۔ اگرچہ ان کے بیان میں جوش وخروش تھا نہ جذبات و بلکہ شستگی اور روانگی اور اثر انگیزی ہوتی تھی۔ سادہ لب ولہجہ مگر پرسوز اور اثر انگیز طرز بیاں، شیریں زبان، معلومات کی وسعت اور اسلوب وانداز کی جدت وندرت اور تکلف وتصنع سے پاک طرز گفتگو، حال ومقام کی مناسبت سے مناسب وموزوں الفاظ وکلمات کا استعمال تھا۔ جس بات کو سچ سمجھا اس کے اظہار میں کبھی اپنے بیگانہ کی تمیز نہیں کی۔ دوست احباب بگڑ گئے، نیاز مندوں کو گرانی ہوئی، ساتھیوں کے دل غبار آلود ہو گئے مگر وہ سچ بولنے میں بخل سے کبھی کام نہ لے سکے۔ حق پسندی وحق گوئی ان کا امتیازی وصف تھا۔

ابتدائی حالات وواقعات:

مولانا عبدالرحمٰن عزیز نے میاں خوشی محمد اعوان کے گھرانے میں یکم جنوری ۱۹۴۲ء کو ضلع فیروز پور بھارت کے گاؤں کو ہر سنگھ والا میں جنم لیا۔ قیام پاکستان کے بعد آپ کا خاندان ہجرت کر کے ضلع قصور کی تحصیل چونیاں کے گاؤں گدپور میں آ کر رہائش پذیر ہو گیا۔ پرائمری تک سکول کی تعلیم حاصل کی اور قرآنِ مجید ناظرہ اپنے والد محترم پڑھا۔ بقیہ دینی تعلیم کے حصول میں دارالحدیث جامعہ کمالیہ منڈی راجووال، دارالعلوم ضیاء السنہ راجہ جنگ میں زیر تعلیم رہنے کے بعد جامعہ محمدیہ اوکاڑہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔

آپ کے نامور اساتذہ میں شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف، مولانا اسداللہ بھانبڑوی، مولانا مفتی محمد عبدہ الفلاح، حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا جمعہ خاں، مولانا عبدالعزیز جھوک دادوطور، شیخ الحدیث محمد عبداللہ امجد، مولانا ہدایت اللہ ندوی، مولانا حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی شامل ہیں۔ آپ نے تفسیر قرآن پاک کی سعادت جامعہ اہل حدیث لاہور میں حافظ محمد عبداللہ روپڑی سے حاصل کی۔

۱۹۶۳ء میں آپ نے دینی علوم سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف کار رہے۔

بطور امام درج ذیل مقامات پر مسجد اہل حدیث بصیر پور اوکاڑہ، جامعہ شمس الحدیث بورے والا ضلع وہاڑی، مدرسہ تفہیم القرآن والحدیث چوک منڈا ضلع مظفر گڑھ، مدرسہ عربیہ الجامعہ الاسلامیہ چوک اہل حدیث میر پور بھاگل ضلع مظفر گڑھ اور مرکزی مسجد اہل حدیث حسین خان والا ضلع قصور میں خدمات سرانجام دیں۔ ہزاروں طلباء وطالبات نے ان سے استفادہ علم وقرآن وحدیث کیا۔

آج سے تقریباً پندرہ برس قبل انہوں نے ادارہ امر بالمعروف کی

حسین خاں والا میں بنیاد رکھی۔ ادارے کی طرف سے انہوں نے اپنی تصنیف کردہ کتب ورسائل عوام الناس اور اصلاح معاشرہ کی غرض سے مفت تقسیم کیے۔ آپ کی تصانیف: اصحابِ ثلاثہ کے مقام پر شیعہ سنی اتحاد، القول المختار فی الصلوٰۃ والسلام علی سید الابرار، رمضان المبارک کے روزے کتاب وسنت کی روشنی میں، حقیۃ الوسیلہ، پیارے رسول ﷺ کی پیاری وصیتیں، جاء الحق، مومن کی زندگی کے آخری مراحل، تحفہ معراج کی اہمیت، زبان، عقل اور دل کی ترجمان، نماز نور ہے، واقعہ کربلا میں افراط وتفریط کا جائزہ، وضو کے فیوض وبرکات، شاہ اربل کا تحفہ، قرآنی معلومات میں افراط وتفریط کا جائزہ، مقلدین کے دار عنکبوت کی حقیقت بجواب نمبر مقلدین کے سفید جھوٹ کی حقیقت، ضیاء المصابیح بجواب مسئلہ تعداد تراویح، القول الجمیل فی رد الطلاق الثلاثۃ، امام کائنات کی حیات طیبہ ماہ وسال کے آئینے میں وغیرہ۔

آپ رحمہ اللہ پنجابی زبان میں شاعری بھی کرتے تھے۔ داستان امت منظوم، تردید حقہ، عقیدت دے پھل، مذہب عجیب واہ بھئی واہ پنجابی میں منظوم ہیں۔

آپ رحمہ اللہ کی اولاد پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔

معمولات عبادت: ہر روز اوقات تہجد میں سورہ رحمٰن اور درود شریف کا پڑھنا، گاؤں کی مسجد اہل حدیث میں سحری کی اذان رمضان وغیر رمضان میں، اس کا اجراء انہوں نے کیا۔ صبح وشام ہر روز بلاناغہ قرآنِ پاک کی تلاوت اور مسنون اذکار کا ورد ان کا معمول زندگی تھا۔

بیماری اور وفات: گزشتہ ۶ برس سے شوگر کا عارضہ تھا۔ امسال ۲۳ مئی ۲۰۱۰ء کو گرنے کے باعث کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ علاج ومعالجہ کے باوجود کچھ افاقہ نہیں ہوا۔ ۳۱ راگست ۲۰۱۰ء کو بیماری کا شدید حملہ ہوا اور آپ قومے میں چلے گئے اور ۲ ستمبر کو نماز ظہر کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے۔

دعا ہے اللہ کریم مرحوم کی دینی، تبلیغی اور مسلکی خدمات جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے، آمین۔

یارا نہیں رہا

موجیں بہم ہوئیں تو کنارہ نہیں رہا
آنکھوں میں کوئی خواب دوبارہ نہیں رہا

گھر بچ گیا کہ دُور تھے، کچھ صاعقہ مزاج
کچھ آسمان کا بھی اشارہ نہیں رہا

بھولا ہے کون ایڑ لگا کر حیات کو
رُکنا ہی رخشِ جاں کو گوارا نہیں رہا

جب تک وہ بے نشاں رہا، دسترس تھا
خوش نام ہو گیا تو ہمارا نہیں رہا

گم گشتۂ سفر کو جب اپنی خبر ملی
رستہ دکھانے والا ستارہ نہیں رہا

کیسی گھڑی میں ترکِ سفر کا خیال ہے
جب ہم میں لوٹ آنے کا یارا نہیں رہا

[پروین شاکر]